اذان میں انگوٹھے چومنے کی من گھڑت روایات پر شرعی اور تحقیقی جائزہ

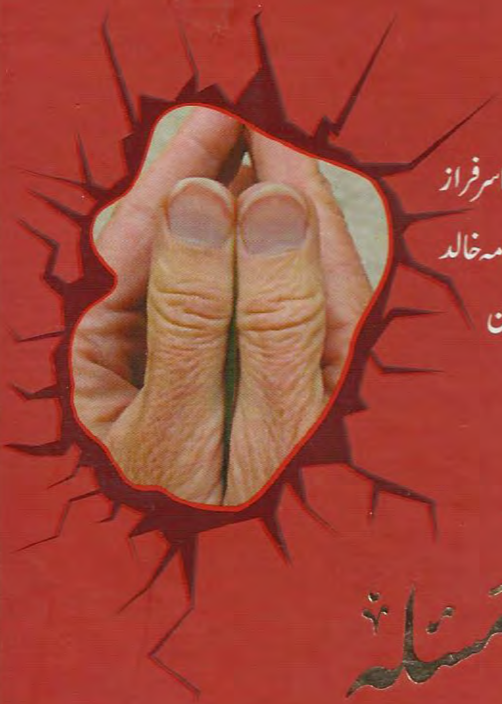

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، مولانا سید حامد میاںؒ، مولانا سرفراز خان صفدرؒ، مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ، ڈاکٹر علامہ خالد محمود، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے مقالات ومضامین

انگوٹھے چومنے کا مسئلہ

شریعت کی نظر میں

ترتیب

نعمان محمد امین

تحفظ نظریات دیوبند اکادمی

اذان میں انگوٹھے چومنے کی من گھڑت روایات پر
شرعی اور تحقیقی جائزہ

انگوٹھے چومنے کا مسئلہ

شریعت کی نظر میں

★ ساجد خان نقشبندی ★ انجمن دعوة اهل السنة والجماعة

ترتیب
نعمان محمد امین

تحفظ نظریات دیوبند اکادمی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

سلسلۂ اشاعت : ۶

کتاب : انگوٹھے چومنے کا مسئلہ شریعت کی عدالت میں (نظر ثانی شدہ اشاعت)

مرتب : نعمان محمد امین

کمپوزنگ : بنوریہ گرافکس کراچی

صفحات :

طابع : اشہد پرنٹنگ سروس

پہلی اشاعت : ذوالقعدہ ۱۴۲۹ھ/ نومبر ۲۰۰۸ء

دوسری اشاعت : ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ/ مارچ ۲۰۱۲ء

اسٹاکسٹ : مکتبہ رشیدیہ

بالمقابل مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی، فون: 021-32767232

www.maktaberasheedya.com

E-mail: info@maktaberasheedya.com

ملنے کے پتے

۱- ادارۃ الانور، علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن، کراچی

۲- حاجی امداد اللہؒ اکیڈمی، مارکیٹ ٹاور، حیدر آباد

۳- کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، راول پنڈی

۴- مجیدیہ کتب خانہ، بیرون بوہڑ گیٹ، اردو بازار، ملتان

۵- مکتبہ رشیدیہ بالمقابل مقدس مسجد اردو بازار کراچی

۶- مکتبہ عمر فاروقؓ، جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی

۷- مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

۸- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

فہرست مضامین

انتساب		۱۰
پیش لفظ	نعمان محمد امین	۱۱
اذان - تاریخ، اہمیت، فضیلت، سبق	حافظ تنویر احمد شریفی	۱۳
پس منظر		۱۳
نمازوں کی اطلاع کیسے ہو؟		۱۴
کلمات اذان کی ترکیب وترتیب		۱۹
خواب کے ذریعے اذان کے حکم کی حکمت		۲۰
اذان اور موذن کے آداب		۲۱
اذان کی فضیلت		۲۱
اذان کے بعد کی دعا اور اس کی فضیلت		۲۲
چند مسائل		۲۳
انگوٹھے چومنے کے حوالے سے دار العلوم دیوبند کا فتویٰ		۲۵
جناب احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ		۲۷
دیوبندی اور بریلوی اختلافات کا فرق	نعمان محمد امین	۲۹
ایک جدید مذہب		۳۰
انگوٹھے چومنے کا شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟	مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ	۳۵
استفتاء		۳۷
جواب		۳۷
انگوٹھے چومنے کی روایات والی کتب کی حیثیت		۳۸
فتوے کا اصول		۴۱
علامہ شامیؒ کی براءۃ		۴۲

انگوٹھے چومنے کی روایات کی تحقیق		۴۳
فضائل اعمال کی احادیث پر عمل کی تین شرطیں		۴۴
ایک ضروری وضاحت		۴۷
لوگوں کو غلطی میں ڈالنا		۵۰
یہ حدیث قابل استناد کیوں نہیں؟		۵۱
تنبیہ		۵۳
دیلمی اور ان کی کتابیں		۵۶
ملا علی قاریؒ کی ایک عبارت سے شبہ اور اس کا جواب		۵۷
حضرت حسنؒ کا اثر اور محدثین کا کلام		۵۹
حضرت خضر سے منسوب روایت کا حال		۶۰
انگوٹھے چومنے کا ذکر کرنے والے مصنفین کا شمار کس طبقے میں ہے؟		۶۱
فاضل بریلوی کی مایہ ناز تحقیق، مسئلہ تقبیل ابہامین	مولانا سید حامد میاںؒ	۶۵
اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان میں چومنے سے بھی زیادہ بدعت ہے		۶۷
فاضل بریلوی کی اصطلاحاتِ حدیث سے بے خبری		۶۸
فاضل بریلوی کی اصول حدیث سے ناواقفیت کی تشریح		۶۹
آنکھوں کے بارے میں ایک حدیث		۷۶
محدثین وفقہا کا ضعیف حدیث سے استدلال کا قاعدہ		۷۷
تنبیہ		۷۸
فاضل بریلوی کی مبالغہ آرائی اور فریب دہی		۸۰
فاضل بریلوی کے قاعدے سے حضرت تھانویؒ کے موقف کی تائید		۸۲

انگوٹھے چومنے والی روایات کا تحقیقی جایزہ	مولانا سرفراز خان صفدرؒ	۸۵
حضور علیہ السلام کے اقوال وافعال پوشیدہ نہیں		۸۷
اذان کے وقت حضور علیہ السلام کی تعلیم		۸۸
دین میں ایجادات مردود ہیں		۹۰
بریلوی اپنا ٹھکانا جان لیں		۹۱
مفتی احمد یار خان کی اُپج		۹۳
ایک وہم اور اس کا ازالہ		۹۳
ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تحقیق		۹۴
احمد رضا خان کا بے ثبوت احادیث کے متعلق ارشاد		۹۷
انگوٹھے چومنے کی احادیث جعلی ہیں		۹۹
حضرت خضر علیہ السلام کی روایت کی حقیقت		۱۰۰
بریلویوں کا انجیل برناباس پر اعتماد اور شریعت محمدی پر بداعتمادی		۱۰۱
جعلی روایات پر عمل - کیا عداوت رسول نہیں؟		۱۰۲
ضعیف احادیث پر عمل کی شرائط	مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ	۱۰۵
انگوٹھے چومنے کی من گھڑت روایت		۱۰۷
انگوٹھے چومنے کا مسئلہ		۱۰۷
انگوٹھے چومنے میں اپنے انگوٹھوں کو حضور علیہ السلام کے انگوٹھے قرار دینا - چہ معنی دارد؟	علامہ ڈاکٹر خالد محمود	۱۱۱
غیر مجتہد کے گل		۱۱۴
ضعیفہ مجروحہ		۱۱۶
ضعیف حدیث پر عمل کی شرط		۱۱۶
مولانا احمد رضا خان اور مفتی احمد یار خان میں اختلاف		۱۱۸
سری نمازوں میں انگلیاں، جہری میں انگوٹھے		۱۱۸

پہلے خلیفہ کی طرف منسوب گھڑی ہوئی روایت ۱۱۹
احمد یار خان سے ایک اصولی سوال ۱۱۹
یہ روایت انگریز سے ملی ۱۲۰
عمل بہ طور علاج، مگر...... ۱۲۰
کفر واسلام کا مسئلہ بنالیا جائے تو راہ حق کیا ہے؟ ۱۲۱
محمود احمد رضوی کا فتویٰ ۱۲۲
علمائے حق کے فتاوے ۱۲۲
انگوٹھے چومنے والی روایت کا بے وقوف راوی — مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ۱۲۵
راوی کی موٹی عقل ۱۲۸
علمائے امت کی صراحت ۱۲۸
امام سرخسیؒ کی پتے کی بات ۱۳۰
انگوٹھے چومنا صحابہؓ پر بداعتمادی ہے ۱۳۱
مباح عمل میں بدعت کی آمیزش ہو تو وہ عمل ناجائز ہے ۱۳۲
مستحب عمل کو لازم سمجھنا گناہ اور بدعت ہے ۱۳۳
کفار سے مشابہت والا فعل ناجائز ہے ۱۳۳
سنت وبدعت میں تردد ہو جائے تو کیا کرے؟ ۱۳۴
جناب محمد شفیع اوکاڑوی کی کتاب ''انگوٹھے چومنے کا مسئلہ'' کا تحقیقی جائزہ — مفتی منیب احمد ۱۳۵
خاتمہ: وصیت حضرت مجدد الف ثانیؒ ۱۵۰
احمد رضا خان کے فتوے کا عکس ۱۵۲

انتساب

اس کتاب کو اپنے روحانی استاذ، شیخ الحدیث، امام اہل سنت حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ (۱) کے نام معنون کرتا ہوں، جن کی کتابوں سے راقم الحروف نے بہت کچھ سیکھا ہے، خاص کر اہل بدعت کی بدعات کا جو علمی رد انہوں نے کیا ہے اس پر میں انہیں سلام عقیدت پیش کرتا ہوں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ انہیں ان کی علمی خدمات کے صلے میں خوب خوب نوازے۔ جو علمی کام حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے کیے ہیں ان سے مجھ جیسے نہ جانے کتنے لوگ فایدہ اٹھا رہے ہیں، اور فرقۂ باطلہ کے خلاف علمی محاذ پر ان کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم حضرت شیخ الحدیث کے احسان مند ہیں اور رہیں گے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ میری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین!

خاک پائے اہل سنت والجماعت حنفی دیوبندی

نعمان محمد امین

---

(۱) حضرت امام اہل سنت ۱۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ / ۵ ر مئی ۲۰۰۹ء کو گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں وفات پا گئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (نعمان)

پیش لفظ

آج سے تقریباً دو مہینے پہلے کی بات ہے، میرے ایک عزیز دوست جناب عبدالمتین کھتری کے موبایل پر ایک بریلوی کا میسج آیا جو اِن کے تعلّق والوں میں سے تھا۔ اس میسج میں ضعیف اور موضوع حدیث کو پیش کر کے اس بات کی تاکید کی جارہی تھی کہ اذان میں ''اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کے الفاظ سن کر اپنے انگوٹھے چومیے۔ اس مسئلے پر اس بریلوی سے کافی علمی بحث ہوئی، آخر میں میں نے کہا: تم انگوٹھے چومنے کا عمل امام اعظم سیدنا ابوحنیفہؒ سے ثابت کر دو میں انگوٹھے چومنا شروع کر دوں گا۔

آج تقریباً اس بات کو دو مہینے ہو گئے ہیں، وہ بریلوی اس بات کو ثابت نہیں کر پایا۔

خیر! اس کے بعد میں نے مارکیٹ میں اس مسئلے کے رد میں کتابیں تلاش کیں، تو مجھے اس کے رد پر مستقل لکھی گئی کوئی کتاب نہیں ملی۔ پھر اپنے بزرگوں اور علمائے دیوبند کی کتابوں میں جو کچھ ملا، میں نے سوچا کہ اسے جمع کر کے باقاعدہ ایک مضمون کی شکل دے کر چھاپا جائے، تاکہ یہ بریلوی کسی کو ناحق تنگ کریں تو اس کے پاس بریلوی کو جواب دینے کے لیے مضبوط دلایل یکجا ہوں۔

اس کے لیے اپنے بزرگوں کے جن مضامین کا انتخاب کیا گیا ان میں محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا السید حامد میاںؒ، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ، مفسّر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ، مناظر ومحقّق اہل سنت حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہم، فقیہ العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور دار العلوم کراچی کا ایک فتویٰ جیسے علمی اور تحقیقی مقالات کو یک جا کیا ہے۔ نیز مسلک بریلویہ کے بانی جناب احمد رضا خان بریلوی، جو اپنے مذہب پر قایم رہنے کی بہت تاکید کے ساتھ تلقین کرتے ہیں، کی تحقیق ''ابر المقال فی استحسان قبلة الاجلال'' مشمولہ ''رسائل اعلیٰ حضرت'' (مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی) کو آخر میں بالعکس شامل کیا گیا ہے۔

بس اللہ رب العزت کا مجھ پر احسان ہوا جو اس نے مجھ سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، جس کا سہرا علمائے دیوبند کو ہی جاتا ہے، کیوں کہ انھیں کی کتابوں سے استفادہ کر کے یہ رسالہ مرتب کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ برادرم حافظ تنویر احمد شریفی نے قدم قدم پر جس طرح میرا ساتھ دیا ہے میں صرف بدلے میں ان کے لیے دعا ہی کر سکتا ہوں۔

اس ناچیز کی یہ ایک چھوٹی سی کاوش ہے، اور آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

آپ کی نیک دعاؤں کا طالب
نعمان محمد امین
۷/اکتوبر ۲۰۰۸ء

اذان

○ تاریخ ○ اہمیت ○ فضیلت ○ سبق

پس منظر:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دو نمازیں فجر اور عصر فرض ہو چکی تھیں۔ سفر معراج میں اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں اس امت کے لیے تحفتاً عطا فرمائیں، جو ہم پر فرض ہیں۔ ہجرت سے پہلے مشرکین مکّہ مسلمانوں پر انتہائی ظلم وستم کرتے تھے اور حرم محترم (مسجد حرام) میں نماز پڑھنا بھی محال تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا، اور ساتھ ساتھ شفقت یہ تھی کہ ظہر، عصر اور عشا کی نماز کی دو رکعتیں پڑھنے کا حکم تھا۔

مشرکین کے ظلم وستم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مکۂ مکرمہ چھوڑنے (ہجرت) کا حکم دیا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام مکۂ مکرمہ سے مدینۂ منورہ تشریف لے گئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث شریف حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ مدینۂ منورہ آنے کے بعد ظہر، عصر اور عشا کی نمازوں کی رکعتیں حضر (حالت اقامت) میں چار چار اور سفر میں دو، دو رکعتیں کر دی گئیں، جسے قصر کہتے ہیں۔

نمازوں کی اطلاع کیسے ہو؟

۱ھ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر جب مکمّل ہوگئی تو مسلمان نمازوں کے لیے جمع ہو جایا کرتے تھے، لیکن مصروفیات کے باعث ضرورت محسوس کی گئی کہ جماعت کا وقت قریب آنے پر عام اطلاع دی جائے، لیکن اس کا طریقہ کیا ہو؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے مشورہ فرمایا۔ مشورے میں کسی نے کہا:

- اس کے لیے بہ طور علامت کوئی خاص جھنڈا بلند کیا جایا کرے،
- کسی بلند جگہ آگ (۱) روشن کی جائے،
- یہودیوں کی طرح بوق (بھونپو) بجایا جائے۔

قربان جایئے ہمارے دین کے، کتنا خیال رکھا گیا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ آگ کے روشن کرنے سے مجوسیوں کے ساتھ، بھونپو بجانے سے یہودیوں کے ساتھ اور گھنٹا بجانے سے نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہوگی، جس کی وجہ سے اہل اسلام اور ان مذاہب والوں میں فرق مشکل ہو جائے گا، اس لیے یہ طریقے ناپسند فرمادیئے۔ رہا جھنڈا بلند کرنا، یہ بھی کوئی خاص علامت نہیں۔

(۱) سعودی حکومت کے لیے مقام غور: سعودی حکومت نے مکۂ مکرمہ میں حرم محترم (مسجد حرام) باب ملک عبدالعزیز کے سامنے ایک وقف عمارت تعمیر کی ہے، جو تقریباً ایک سو بیس منزلہ ہے۔ اس کے اوپر ایک عظیم گھڑی ہے، جو چاروں طرف سے سولہ سترہ کلومیٹر دور سے نظر آتی ہے، لیکن اس گھڑی کے کلس میں ایسی برقی روشنی رکھی گئی کہ جیسے ہی نماز کا وقت داخل ہوتا ہے وہ جل بجھ ہونے لگتی ہے۔ فقہی اصول سے یہ غلط ہے۔ برقی روشنی کا ایسا استعمال، وہ بھی اذان کے لیے شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ یہ آگ کی ایک قسم ہے۔ اس پر انہیں غور کرنا چاہیے۔ (نعمان، ۱۵ر صفر المظفر ۱۴۳۳ھ/ ۱۰ر جنوری ۲۰۱۲ء)

حضور علیہ السلام کی طرف بلائی گئی مجلس شوریٰ بغیر کسی نتیجے پر پہنچے برخاست ہوگئی۔ آپ اس مسئلے میں متفکر رہے اور اس فکرمندی میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم متفکر ہوگئے۔ سیرت کی کتابوں میں ہے کہ سب سے زیادہ اس فکر کا اثر حضرت عبداللہ (۱) ابن زید ابن عبد ربہ رضی اللہ عنہ پر تھا۔

سنن ابی داؤد اور سنن الدارمی میں ایک طویل حدیث ہے:

''حضرت عبداللہ ابن زید ابن عبد ربہؓ کے صاحب زادے حضرت محمدؒ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ماجد عبداللہ ابن زیدؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس کے لیے فرمایا کہ وہ بنوایا جائے، تاکہ اس کے ذریعے نماز باجماعت کا اعلان لوگوں کے لیے کیا جائے تو خواب میں میرے سامنے ایک شخص آیا، جو اپنے ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے تھا، میں نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! یہ ناقوس تم بیچتے ہو؟ اس نے کہا: تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا: ہم اس کے ذریعے اعلان کر کے لوگوں کو نماز کے لیے بلایا کریں گے۔ اس نے کہا: کیا تم کو ایک ایسی چیز نہ بتادوں جو اس کام کے لیے اس سے بہتر ہے۔ میں نے کہا: ہاں! ضرور بتایئے۔ اس نے کہا کہو:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ٥ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ٥ اَشْھَدُ اَنْ

(۱) حضرت عبداللہ ابن زیدؓ:
انصاری صحابی اور قبیلہ خزرج سے تعلّق تھا۔ غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں شریک رہے۔ آپ سے مجموعہ احادیث میں کل چھ یا سات احادیث مروی ہیں۔ فتح مکّہ کے موقع پر بنی الحرث بن الخزرج کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ ۶۴ سال کی عمر میں ۳۲ھ میں انتقال ہوا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے جنازہ پڑھایا۔ رضی اللہ عنہم۔ (نعمان)

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ○ اَشْهَـدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ○ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ○ اَشْهَـدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ○ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ ○ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ ○ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ○ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ○ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ○ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ○

حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ پوری اذان بتا کے وہ شخص مجھ سے تھوڑی دور پیچھے ہٹ گیا اور تھوڑے توقف کے بعد اس نے کہا: پھر جب نماز قایم کرو تو اقامت اس طرح کہو:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ○ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ○ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ ○ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ○ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ ○ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ ○ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ○ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ○

حضرت عبداللہ ابن زید ابن عبدربہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی صبح ہوئی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ آپ کو بتایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: یہ رویائے حق (سچا خواب) ہے ان شاء اللہ تعالیٰ، اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ تم (حضرت) بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کلمات کی تلقین کرو جو خواب میں تم نے دیکھے ہیں اور وہ پکار کے ان کلمات کے ذریعے اذان کہیں، کیوں کہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے۔ تو میں (حضرت) بلالؓ کے ساتھ کھڑا ہوا، میں ان کلمات کی تلقین کرتا تھا اور وہ اذان دیتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن زید ابن عبدربہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (حضرت) عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں (اذان کے کلمات کو) سنا تو وہ جلدی میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر رہے تھے: قسم اس پاک ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے ویسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا (حضرت) عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ نے دیکھا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فللّٰہ الحمد''۔

(بہ حوالہ معارف الحدیث: ج ۳، ص ۱۴۵-۶)

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث سے متعلق دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اس میں حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اعلان کے واسطے ناقوس بنوانے کے لیے فرمایا تھا، اور حضرت انسؓ کے صاحب زادے حضرت ابوعمیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے جب ناقوس کی تجویز پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ ''وہ نصاریٰ کی چیز ہے''۔ اس عاجز (مولانا محمد منظور نعمانی) کے نزدیک اس اختلاف روایت کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ نماز کے اعلان کے لیے جو چند تجویزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی گئی تھیں ان میں سے جھنڈے والی، آگ روشن کرنے والی اور یہودیوں کے نرسنگھے والی تجویزوں کے متعلق تو آپ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر واضح طور پر ان کو نامنظور کر دیا تھا، اور اسی لیے ان میں سے ہر تجویز کے بعد کوئی دوسری تجویز پیش کی گئی، لیکن ناقوس والی آخری

تجویز کے بارے میں آپ نے صرف یہ فرمایا: "ھو من امر النصاری" (وہ نصاریٰ کی چیز ہے) اور کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے واضح طور پر اس کی نامنظوری سمجھی جاتی۔ ممکن ہے کہ آپ کے اس وقت کے لب و لہجے سے بھی بعض صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے یہ سمجھا ہو کہ دوسری تجاویز کے مقابلے میں آپ کے نزدیک اس تجویز کو کچھ ترجیح ہے، اور اس بنا پر انہوں نے یہ خیال کرلیا ہو کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بادل ناخواستہ اس تجویز کو قبول فرمالیا ہے، اور جب تک کوئی اور بہتر تجویز سامنے نہ آئے فی الحال ناقوس والی تجویز ہی پر عمل ہوگا (اور غالباً اسی لیے اس کے بعد کسی کی طرف سے کوئی اور تجویز نہیں پیش کی گئی)۔ بہرحال اس عاجز (مولانا محمد منظور نعمانی) کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ نے غالباً اسی صورت کو "امر بالناقوس" سے تعبیر فرمادیا ہے۔ کبھی کبھی کسی چیز کی اجازت اور اختیار دینے کو بھی امر سے تعبیر کردیا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی مثالیں بہ کثرت موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

دوسری وضاحت طلب بات اس حدیث میں یہ ہے کہ اذان میں جو کلمات دودو دفعہ کہے گئے تھے اقامت میں ان کو صرف ایک دفعہ کہا گیا ہے۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اقامت میں ان کلمات کے ایک ہی دفعہ کہنے کا حکم تھا، لیکن بعض دوسری حدیثوں میں اذان کی طرح اقامت میں بھی ان کلمات کا دو دفعہ کہنا وارد ہوا ہے۔ بعض ائمہ رحمہم اللہ نے اپنے اصول اور اپنی معلومات کی بنا پر ایک ایک دفعہ والی روایات کو ترجیح

دی ہے اور بعض نے دوسری قسم کی روایات کو، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اقامت کی یہ دونوں صورتیں ثابت ہیں اور اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت میں کیا جاسکتا ہے"۔ (معارف الحدیث: ج۳، ص۱۴۶-۸)

کلمات اذان کی ترکیب وترتیب:

اذان کے کلمات کی ترکیب وترتیب نہایت عجیب انداز میں ہے۔ چند کلمات میں اسلام کے تین بنیادی اصول توحید، رسالت اور آخرت کو ذہن نشین کرایا گیا ہے۔

اَللّٰهُ اَکْبَرُ میں اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عظمت وکبریائی،

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه میں توحید کا اثبات اور شرک کی نفی،

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں اثباتِ رسالت اور اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت کا طریقہ ہمیں نبی برحق کے ذریعے معلوم ہوا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ!

اعلان توحید ورسالت کے بعد لوگوں کو سب سے افضل اور بہترین عبادت کی طرف حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ کہہ کر دعوت دی گئی۔

اس کے بعد حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے نپے تلے جملے کہہ کر ہمیشہ کی فلاح وکامیابی کی طرف بلایا گیا، جس سے معاد یعنی آخرت کی طرف اشارہ ہوجاتا ہے کہ اگر بقائے دوام اور ہمیشہ کی بہبودی اور کامیابی چاہتے ہو تو مولائے حقیقی کی اطاعت اور بندگی میں لگ جاؤ۔

آخر میں اَللّٰهُ اَکْبَرُ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، کہ اللہ سب سے اعلیٰ وبرتر ہے، اس

کے سوا کوئی معبود اور بندگی وعبادت کے لائق نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جسے عقل سلیم عطا فرمائی ہے وہ کلمات اذان کا ایک سرسری ترجمہ دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ اذان سراسر دعوت حق اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والی آواز ہے۔ اس کے برعکس یہود ونصاریٰ اور ہنود وغیرہ کا بوق وناقوس اور گھنٹہ وسنکھ سب کھیل تماشے ہیں۔ باری تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور اس کی الوہیت ووحدانیت کے اعلان سے بندہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ گھنٹوں اور طبلوں کی آواز سے کبھی نہیں پہنچ سکتا۔

خواب کے ذریعے اذان کے حکم کی حکمت:

اذان کی مشروعیت خواب کے ذریعے ہوئی۔ حالاں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ براہ راست وحی کے ذریعے بھی حکم فرما سکتے تھے۔

اہل علم نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ اذان میں حضور علیہ السلام کی نبوت ورسالت کا اعلان بھی ہے اور آپ کی نبوت ورسالت کی اشاعت بھرپور طریقے سے کرنا اور آپ کے اس دین حق کی طرف دعوت دینا یہ خادموں اور غلاموں کا فریضہ ہے۔ اگرچہ اذان کے کلمات حضور علیہ السلام کو شب معراج میں آسمان پر سنا دیئے گئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الخصائص الکبریٰ میں یہ حدیث روایت کی ہے۔

(ج۱ص۱۶۴)

اسی طرح حضرت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے آسمان میں اذان دی اور مجھ کو امامت کے لیے آگے کیا۔ بس میں نے فرشتوں کو نماز پڑھائی۔ (الخصائص

الکبریٰ: ج۱ص۱۷۶)

اذان اور مؤذن کے آداب:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ تم جب اذان پڑھو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو، اور جب اقامت کہو تو جلدی جلدی کہا کرو، اپنی اذان واقامت کے درمیان اتنا فاصلہ رکھو کہ کھانے والا کھانے سے اور پینے والا پینے سے اور قضائے حاجت کرنے والا قضائے حاجت سے فارغ ہوجائے اور یہ بھی فرمایا کہ جب تک مجھے (حجرے سے آتا) نہ دیکھ لو (اقامت کے لیے) کھڑے مت ہوا کرو۔ (ترمذی)

حضور علیہ السلام نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اذان کہتے وقت اپنی شہادت کی انگلیاں کانوں میں دے لیا کرو، اس سے آواز بلندتر ہوگی۔ (ابن ماجہ)

اذان کی فضیلت:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

”جس نے سات سال تک اذان دی اللہ تعالیٰ سے ثواب واجر طلب کرتے ہوئے اس کے لیے دوزخ سے برأت لکھ دی جائے گی“۔

(جامع ترمذی: ص۵۷، سنن ابن ماجہ: ص۵۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

”مؤذن کی آواز کو جہاں تک بھی کوئی جن، انسان یا کوئی چیز سنے گی

تو اس کے لیے قیامت کے دن گواہی دے گی''۔ (صحیح بخاری: ج ا، ص ۸۶)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سنا:

''مؤذن قیامت والے دن بلند گردنوں والے ہوں گے (یعنی خاص نورانیت سے نمایاں ہوں گے)''۔ (صحیح مسلم: ج ا ص ۱۶۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس وقت نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پشت پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے، اتنا دور کہ وہ اذان کی آواز نہ سن سکے۔ پھر جب اذان ختم ہوتی ہے تو آجاتا ہے۔ جب اقامت (تکبیر) ہوتی ہے تو پھر اسی طرح بھاگتا ہے، جب ختم ہوتی ہے تو آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ آدمی اور اس کے جی میں خیالات ڈالتا ہے، وسوسہ اندازی کرتا ہے، فلاں چیز کو یاد کرو، فلاں بات کو یاد کرو، یہاں تک کہ نماز پڑھنے والا شبہے میں پڑ جاتا ہے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں''۔ (صحیح بخاری: ج ا ص ۸۵، صحیح مسلم: ج ا ص ۱۶۸)

اذان کے بعد کی دعا اور اس کی فضیلت:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے بعد کی دعا تعلیم فرمائی:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ (بخاری)

جو اس دعا کو پڑھنے کی عادت بنالے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔

چند مسائل:

- فرائض خمسہ (فرض عین) اور جمعہ کی نماز کے علاوہ کسی نماز سنن، وتر، تراویح، عیدین، استسقاء، جنازہ اور نوافل (ماسوائے تہجد کے وہ بھی صرف رمضان میں) اذان واقامت کا حکم نہیں ہے۔
- خطرے کے وقت شیاطین اور جنات کو بھگانے کے لیے اذان ثابت ہے۔
- نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت مستحب ہے۔
- میت کے دفن کرنے کے وقت یا دفن کے بعد قبر کے پاس اذان دینا بدعت ہے۔
- اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں رکھنا مستحب ہے۔
- اذان کے کلمات آرام آرام سے اور اقامت کے کلمات جلدی کہنا چاہئیں۔
- مؤذن کے لیے مسائل ضروریہ نیز نماز کے اوقات سے واقفیت ضروری ہے۔ اگر جاہل ناواقف شخص اذان دے تو اسے موذنین کے برابر ثواب نہیں ملے گا۔
- مؤذن عاقل، بالغ اور مرد ہو، اگر عورت اور ناسمجھ بچہ اذان دے گا تو اعادہ کرنا پڑے گا۔
- دس بارہ سال کا سمجھدار لڑکا اذان دے سکتا ہے۔
- اذان قبلہ رخ ہو کر کہنا مستحب ہے۔

۞ اذان مسجد کے باہر دینا مستحب ہے۔

۞ باوضو اذان کہنا مستحب ہے۔ اگرچہ بغیر وضو ہو جاتی ہے لیکن اس کی عادت بنانا بہت بُری بات ہے۔

۞ جنابت کی حالت میں اذان کہنا مکروہ تحریمی ہے۔ ایسی اذان کا اعادہ واجب ہے۔

۞ اذان کے کلمات عربی میں ہونے ضروری ہیں، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ دوسری زبانوں میں یا اذان کے کلمات کے علاوہ عربی زبان ہی کے دوسرے کلمات ادا کرنے سے اذان نہیں ہوگی۔

۞ کوئی شخص اذان و اقامت غلط کہے تو اس کا اعادہ کرنا چاہیے۔

۞ جو لوگ گھر میں نماز پڑھتے ہیں ان کے لیے محلے کی مسجد کی اذان کافی ہے۔

۞ سفر میں نماز کے لیے اذان کہنا سنت ہے۔

۞ جمعہ کی پہلی اذان کے بعد تمام کاروبار بند کر دینے چاہئیں۔ پہلی اذان کے بعد دکان/آفس کھلا رکھنا ناجائز ہے۔ اس وقت جو خرید و فروخت ہوگی وہ مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ دوسری اذان کے بعد کسی کام میں مشغول ہونا حرام ہے۔ اس میں دکان/آفس کے محلے کی مسجد کی اذان کا اعتبار ہوگا۔

۞ وقت سے پہلے دی ہوئی اذان نہیں ہوتی۔ ایسی اذان کا اعادہ ضروری ہے۔

۞ اذان سننے والا مرد ہو یا عورت، طاہر (پاک) وغیر طاہر (جنبی)، اذان کا جواب دینا مستحب ہے۔

۞ اذان کا جواب بھی احادیث میں سکھایا گیا ہے، اس میں کسی چیز کی کمی بیشی اور طریقے میں فرق کرنا بدعت ہے۔

۞ جمعہ کی دوسری اذان کا جواب دینا جایز نہیں۔

۞ اذان کے بعد مؤذن اور سامع کے لیے درود شریف پڑھ کر دعائے وسیلہ پڑھنا سنت ہے۔

۞ جمعہ کی دوسری اذان کے بعد دعائے وسیلہ پڑھنا منع ہے۔

۞ سات صورتوں میں اذان کا جواب نہیں دینا چاہیے:

(۱) نماز کی حالت میں،
(۲) خطبے کی حالت میں،
(۳) وظیفۂ زوجیت کے وقت،
(۴) قضائے حاجت کے وقت،
(۵) حیض ونفاس کی حالت میں،
(۶) علم دین کے درس وتدریس کے وقت،
(۷) کھانا کھانے کے وقت۔

قارئین کرام! اذان کی تاریخ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ فضیلت اور طریقۂ تعلیم آپ نے پڑھے۔ اس میں کہیں بھی موجودہ دور کی ''خرافاتِ اذان'' کا ذکر نہیں ہے۔ نہ صلوٰۃ وسلام اذان کے ساتھ پڑھنے کا، نہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ سن کر انگوٹھے چومنے کا اور نہ قبر پر اذان پڑھنا وغیرہ۔ یہ ساری ایجادات بعد میں انگریز ملعون کے تخلیق کردہ ایک خاص فرقے کی ایجاد ہے۔

انگوٹھے چومنے کے حوالے سے دار العلوم دیوبند کا فتویٰ:

دار العلوم دیوبند کے مفتیٔ اعظم اول حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ

علیہ سے کسی نے سوال کیا تو آپ نے فتویٰ اس طرح دیا:

"**سوال** اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ سن کر قُرَّةُ عَيْنِىْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ کہہ کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا کیسا ہے؟

جواب "بعض فقہا نے لکھا ہے کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ سن کر قُرَّةُ عَيْنِىْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ کہنا مستحب ہے، اور بعض روایات اس بارے میں نقل کی ہیں، جو ثابت نہیں ہیں۔ پس ترک اس کا احوط ہے۔ بہ وقت اذان جو کلمات منقول ہیں اس کو معمول بہ بنانا چاہیے۔ احداث فی الدین (دین میں نئی بات نکالنا) نہ کرے۔ فقط"۔

یہاں تک حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا جواب ہے اس کی مزید توضیح حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی فتوے پر فرمائی:

"جواب صحیح ہے۔ اس سوال کے متعلق یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ بعض احادیث موقوفہ بھی اس باب میں آئی ہیں۔ قطع نظر صحتِ سند کے اس میں دو امر قابل لحاظ ہیں:

ایک یہ کہ ان روایات میں یہ عمل بہ طور علاج وحفاظت رمد (ایک بیماری جس میں آنکھیں سرخ رہتی ہیں) کے آیا ہے، جو ایک امر دنیوی ہے۔ اس میں کوئی فضیلت وغیرہ ثواب کی نہیں، اور اب لوگ اس کو ثواب وتعظیم نبوی کے امر دینی سمجھ کر کرتے ہیں اور تداوی (علاج کرنے) کو عبادت سمجھنا بدعت ہے۔ اس لیے اس اعتقاد سے بدعت ہوگا۔

دوم یہ کہ کرنے والے اس کا التزام (کسی بات کو لازم کرلینا) عملی واعتقادی کرتے ہیں اور تارک (چھوڑنے والے) کو مطعون

(بدنام) سمجھتے ہیں۔ فقط" (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ج ٢، ص ٦-١٢٥)

جناب احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ:

جو فرقہ دین وشریعت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انگوٹھے چومنے کو عبادت اور نہ چومنے والے کو وہابی کہتے ہیں وہ ذرا غور وفکر کریں۔ ان کے امام وپیش وا، جن کا مذہب ان کی کتابوں سے اظہر من الشّمس ہے، اور اس کو لازم پکڑنا دین وشریعت سے بھی زیادہ ضروری ہے، وہ انگوٹھے چومنے کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں؟

ان کا فتویٰ مسمّٰی بہ "ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال" شایع کردہ نوری بک ڈپو بالمقابل دربار داتا صاحب لاہور میں موجود ہے۔ اس فتوے کا سرورق اور صفحے کا عکس کتاب کے آخر میں شامل کیا جارہا ہے، تاکہ سند رہے۔

انگوٹھے چومنے کے مسئلے پر برادر عزیز نعمان محمد امین زید مجدہٗ نے ہمارے اکابر علمائے کرام کی تحقیقات کو جمع کیا ہے، جو آپ کے پیش نظر ہے۔ اس میں اس مسئلے کو نہایت واضح کردیا گیا ہے۔ اب بھی جو اس کو تسلیم نہ کرے اور ضد پر اڑا رہے یہ خرافات دین کا حصہ ہیں تو وہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (الآیۃ) کا انکاری ہے۔ قرآن کریم کے ایک حرف کا انکار بھی دائرۂ اسلام سے خارج کردیتا ہے۔

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے:

"آج میں پورا کرچکا تمہارے لیے دین تمہارا، اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا، اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین"۔

(موضح الفرقان: ص ٨-١٤٧)

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ہم سب کی نجات کا ذریعہ بنائے، اپنے دین کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے اکابر کی نہج پر قایم رکھے۔ آمین!

تنویر احمد شریفی عفی عنہ
۳۰ رشوال المکرّم ۱۴۲۹ھ
۳۰ / اکتوبر ۲۰۰۸ء
اس مضمون پر نظر ثانی کی گئی
۲۵ رصفر المظفر ۱۴۳۳ھ
۱۰ / جنوری ۲۰۱۲ء

دیوبندی اور بریلوی اختلافات کا فرق

دیوبندیوں اور بریلویوں کے درمیان اختلافی مسائل کوئی نئی بات نہیں، لیکن جب دیوبندی کسی مسئلے پر دلیل پیش کرتے ہیں تو قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور فقہ حنفی سے پیش کرتے ہیں۔ جب کہ بریلویوں کی گاڑی ضعیف اور موضوع حدیث اور ان کے اعلیٰ حضرت کے صرف قول سے چلتی ہے۔ باقی رہی فقہ حنفی کی بات تو وہ ان کے لیے یقیناً حجّت نہیں رکھتی۔

آپ کہیں گے کہ میں غلط بیانی سے کام لے رہا ہوں، کیوں کہ بریلوی تو اپنے آپ کو ''اہل سنت والجماعت حنفی'' کہتے ہیں۔ حنفی تو ان کے مذہب کا حصّہ ہے۔

الحمدللہ! دیوبندی بغیر دلیل کے کوئی بات نہیں کرتے۔

بریلویوں کے مفتی احمد یار خان گجراتی اپنے رضا خانی مذہب کی نمائندگی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہؒ کی مسئلہ عقائد میں تقلید نہیں ہوئی''۔

(جاء الحق: ص ۱۲۷)

اب اس سے دو باتیں اخذ کی جاسکتی ہیں:

ا:...... حضرت امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عقائد معاذ اللہ درست

نہیں تھے، اسی وجہ سے بریلوی ان کی تقلید عقائد میں نہیں کرتے۔

۲:...... یا یہ ماننا پڑے گا کہ ان بریلویوں کے عقائد ہی بالکل الگ اور نرالے ہیں، اسی وجہ سے وہ صحیح عقائد جو حضرت امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں اس کی تقلید نہیں کرتے۔

ایک جدید مذہب:

اب یہاں ایک سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ عقائد کا تعلّق تو مذہب سے ہوتا ہے، کیا ان بریلویوں کا کوئی الگ مذہب ہے؟

اس کا جواب جناب احمد رضا خان بریلوی کے الفاظ میں پڑھیے اور سر دھنیے، فرماتے ہیں:

> ''تم سب محبت اور اتفاق سے رہو اور حتی الامکان اتباعِ شریعت نہ چھوڑو، اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قایم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے''۔ (وصایا شریف: ص۹)

غور فرمایئے، کیا دلیل ہے بریلوی مذہب کے بانی اپنی موت سے دو گھنٹے دس منٹ پہلے یہ وصیت کر کے گئے تھے۔

بہت ہی صاف اور واضح لفظوں میں لکھا ہے کہ جہاں تک ہو سکے شریعت کا اتباع نہ چھوڑو۔ شریعت نام ہے قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس کا اور ہمارے مذہب کا مدار یہی ہے، لیکن جناب احمد رضا خان بریلوی کہتے ہیں:

> ''میرا دین و مذہب جو میری کتابوں سے ظاہر ہے''۔

تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ شریعت اور جناب احمد رضا بریلوی کا دین

و مذہب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

موصوف شریعت کے لیے تو کہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے شریعت پر عمل کرنا، لیکن میرے مذہب پر عمل کرنا تو ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ یعنی اپنے دین و مذہب کو جناب احمد رضا بریلوی شریعت پر نہ صرف فوقیت دیتے ہیں بلکہ ہر فرض (کلمہ، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج، حقوق العباد) سے اہم فرض قرار دیتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ!

اس مذہب پر میں کچھ لکھنے بیٹھوں گا تو بات طویل ہوجائے گی اور اصل موضوع رہ جائے گا۔ اس لیے جو حضرات بریلوی مذہب کی حقیقت کا سرسری مطالعہ کرنا چاہتے ہوں وہ حضرت مولانا محمد فاضل کی کتاب ''پاگلوں کی کہانی'' اور جو تفصیل سے جاننا چاہتے ہیں وہ حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود مدظلہم کی کتاب ''مطالعۂ بریلویت'' کا مطالعہ فرمائیں۔

اس کے علاوہ اس فرقے کی رد میں علمائے دیوبند کی مندرجۂ ذیل کتابیں بھی قابلِ مطالعہ ہیں:

۱ بدعت کی حقیقت (مجاہدِ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ)
۲ فتاویٰ میلاد شریف (امامِ ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ)
۳ تحذیر الناس (حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ)
۴ حفظ الایمان (مع مقدمہ) (حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)
۵ بدعت کی حقیقت اور اس کے احکام (حضرت حکیم الامتؒ)
۶ الشہاب الثاقب (شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) ردِ رضاخانیت پر حضرت مدنیؒ کی تصنیف پہلی کتاب ہے۔

۷ رسائل چاند پوری (مناظر اسلام حضرت مولانا سید مرتضٰی حسن چاند پوریؒ)
۸ بوارق الغیب (مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ)
۹ فتوحات نعمانیہ (مناظرہ) (حضرت نعمانیؒ)
۱۰ چہل مسئلہ (حضرات بریلویہ کی چالیس بدعات) (حضرت مولانا کریم بخشؒ)
۱۱ رضاخانیوں کی کفر سازیاں (حضرت مولانا نور محمد مظاہریؒ)
۱۲ فاتحہ کا طریقہ (حضرت مظاہریؒ)
۱۳ اعلیٰ حضرت کی چند خطرناک غلطیاں (حضرت مظاہریؒ)
۱۴ بریلوی ترجمۂ قرآن کا علمی تجزیہ (مفسّر قرآن حضرت مولانا سید اخلاق حسین قاسمیؒ)
۱۵ فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن اور فقہی مقام کی حقیقت (شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاںؒ)
۱۶ پاگلوں کی کہانی (حضرت مولانا محمد فاضل)

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر علیہ الرحمہ کی تصانیف میں سے:

۱۷ راہ سنت (رد بدعات پر بہترین اصلاحی کتاب)
۱۸ عبارات اکابر (علمائے دیو بند پر بریلوی اعتراضات کے جوابات)
۱۹ ازالۃ الریب
۲۰ اظہار العیب (مسئلہ علم غیب پر مفصّل اور علمی کتابیں)
۲۱ آنکھوں کی ٹھنڈک

۲۲ تفریح الخواطر (مسئلہ حاضر و ناظر پر بہترین علمی اور اصلاحی کتابیں)
۲۳ دل کا سرور (مسئلہ مختار کل پر مدلل بحث)
۲۴ نور و بشر (معرکۃ الآراء مسئلے پر علمی بحث)
۲۵ درود شریف [redacted] کا شرعی [redacted] (اذان سے پہلے [redacted] سلام پڑھنے کے رد میں)
۲۶ گلدستۂ توحید (غیر اللہ سے مدد مانگنے کے رد میں)
۲۷ راہ ہدایت (کرامات و معجزات کے بارے میں صحیح عقائد)
۲۸ اتمام البرہان (بریلوی مولوی کی ایک کتاب کا رد)
۲۹ ملا علی قاریؒ اور مسئلہ علم غیب
۳۰ تنقید متین (جناب احمد رضا خان کے ترجمۂ قرآن نعیم الدین مراد آبادی صاحب کی تفسیر پر علمی تنقید)
۳۱ باب جنّت (ایک بریلوی مولوی کی کتاب کا جواب)
۳۲ حکم الذکر بالجہر
۳۳ اخفاء الذکر
۳۴ مطالعۂ بریلویت ۸/جلدیں (حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہٗ)
۳۵ مروّجہ محفل میلاد (حضرت مولانا قاری عبد الرشیدؒ)
۳۶ فاضل بریلوی کا حافظہ (حضرت مولانا قاری عبد الرشیدؒ)
۳۷ فاضل بریلوی کا کردار (پروفیسر ابو عبید دہلوی)
۳۸ آئینۂ بریلویت (جناب انور حسین گروہروی)
۳۹ بدعت اور اہل بدعت (مولانا محمد اقبال)

۴۰ علم متشابہات – خاصۂ خداوندی (حضرت مولانا عبد القدوس قارن مدظلہٗ)

۴۱ ایضاح سنت (بریلوی مولوی کی ایک کتاب کا حضرت قارن کے قلم سے جواب)

۴۲ بریلویت حقائق کے آئینے میں! (پروفیسر حافظ غلام محمد میمن)

۴۳ فرقۂ بریلویت پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ (حضرت مولانا محمد الیاس گھمن مدظلہٗ)

۴۴ مولانا احمد رضا خان – حقیقت کے آئینے میں!

۴۵ کیا صلوٰۃ وسلام اور محفل میلاد بدعت ہے؟ (نعمان محمد امین)

۴۶ انگوٹھے چومنے کا مسئلہ – شریعت کی عدالت میں! (نعمان محمد امین)

نوٹ: یہ وہ کتابیں درج کی گئی ہیں جو آسانی سے دستیاب ہیں، اگرچہ اس کے علاوہ بہت سی کتابیں ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ نایاب ہوگئیں اور باذوق لائبریریوں میں موجود ہیں۔

سلسلہ: انگوٹھے چومنے کا مسئلہ، نمبر ۱

انگوٹھے چومنے کا شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟

ایک استفتاء اور اس کا تحقیقی جواب

محقق

محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی قدس سرہٗ

عنوانات وترتیب

نعمان محمد امین

ناشر

تحفّظ نظریات دیوبند اکادمی - پاکستان

محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف

نام: مولانا حبیب الرحمٰن ابن مولانا محمد صابر ابن عنایت اللہ ابن خوش حال

پیدائش: جمادی الثانی ۱۳۱۹ھ/ستمبر ۱۹۰۱ء قصبہ مئو ضلع اعظم گڑھ

تعلیم: حفظ قرآن مولانا ابوالحسن عراقیؒ اور حافظ عبداللہ عرف دولہؒ سے، تجوید مولانا عبدالحق پیلی بھیتیؒ سے، اردو فارسی مولانا عبدالرحمٰن اورنگ آبادیؒ سے، عربی کی تعلیم مولانا عبدالعزیز مئویؒ، مولانا محمد صابر مئویؒ، مولانا ابوالحسن مئوی، مولانا عبدالغفار عراقیؒ، حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ، مولانا کریم بخش سنبھلیؒ، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین محدث دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حکیم محمد حسن دیوبندیؒ۔

بیعت وارادت: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

تدریس: دارالعلوم مئو (شوال المکرم ۱۳۴۰ھ/ جون ۱۹۲۲ء سے)، مدرسۂ مظہر العلوم بنارس، مفتاح العلوم۔

تصانیف: کتب ورسائل کی تعداد (عربی) ۷، (اردو) ۴۰، مقالات ومضامین (عربی) ۱۰، (اردو) ۱۱۸، اس کے علاوہ بعض کتب پر تحقیقات وتعلیقات ۲۵۔

سیاسی مسلک: جمعیّت علمائے ہند کے سرگرم راہ نماؤں میں شمار ہوتے تھے پہلے ''امیر الہند'' بھی منتخب ہوئے۔

وفات: ۱۰/رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ/۱۴/مارچ ۱۹۹۲ء

(تفصیلی حالات کے لیے ''حیات ابوالمآثر'' مولفہ: ڈاکٹر مسعود احمد اعظمی کا مطالعہ کیا جائے)

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے شرع محمدی اور فقہائے حنفی مسایل ذیل میں:

۱ بہ وقت سماع اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ موذن سے دونوں انگوٹھوں کا چومنا مستحب ہے یا بدعت؟

۲ کیا فعل مذکور کے استحباب پر بعض احادیث مرفوعہ وآثار صحابہؓ واقوال فقہا کتب احادیث وفقہ میں پائے جاتے ہیں؟ اگر پائے جاتے ہیں تو بدعت کیسے کہا جاسکے گا؟ فضائل اعمال میں تو ضعیف حدیث بھی کافی ہے۔

۳ بہ اعتبار اصول مقررہ محدثین حدیث مثبت تقبیل الابہامین وآثار صحابہؓ واقوال فقہاؒ بہ حیثیت مدارج فقہا کس کس پائے و درجے کے ہیں؟

۴ کیا تقبیل الابہامین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وحضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے؟

تفصیل سے جواب مع حوالۂ کتب مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور ہوجیے۔

الجواب بعون الملك الوهاب:

مسئلۂ تقبیل ابہامین کی تحقیق کے لیے میں نے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کیا:

(۱) مبسوط امام سرخسیؒ، (۲) ہدایہ، (۳) فتح القدیر، (۴) بنایہ، (۵) عنایہ، (۶) کفایہ، (۷) کنز الدقائق، (۸) البحر الرائق، (۹) تبیین الحقائق، (۱۰) شرح کنز للعینیؒ، (۱۱)

بدائع الصنائع، (۱۲) قدروی، (۱۳) الجوہرۃ النیرۃ، (۱۴) اللباب، (۱۵) منیۃ المصلی، (۱۶) صغیری، (۱۷) کبیری، (۱۸) درمختار، (۱۹) حاشیہ طحاوی بر درمختار، (۲۰) شامی، (۲۱) مراقی الفلاح، (۲۲) حاشیہ طحاوی بر مراقی الفلاح، (۲۳) عالم گیری، (۲۴) قاضی خان، (۲۵) سراجیہ، (۲۶) خلاصۃ الفتاویٰ، (۲۷) شرح وقایہ، (۲۸) عمدۃ الرعایہ، (۲۹) جامع الرموز۔

اتنی کتابوں میں سے بہ جز جامع الرموز، شامی، حاشیۂ طحطاوی بر مراقی الفلاح کے اور کسی کتاب میں ''تقبیل ابہامین'' کا کوئی ذکر نہیں ہے، اور ان دونوں مؤخر الذکر کتابوں میں بھی علامہ شامیؒ اور طحطاویؒ نے نہ اپنی تحقیق ذکر کی ہے نہ کسی مستند و معتبر کتاب سے اس کو نقل کیا ہے، بلکہ دونوں نے یہ لکھا ہے کہ قہستانی نے کنز العباد سے نقل کیا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اتنا اور لکھا ہے کہ فتاویٰ صوفیہ میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسئلے کے لیے دراصل بنیادی چیز صرف کنز العباد اور فتاویٰ صوفیہ ہے۔ رہے قہستانی تو وہ صرف ناقل ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحب کنز العباد اور صاحب فتاویٰ صوفیہ کے زمانے سے پہلے کی تصنیفات ہیں اس مسئلے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یعنی یہ مسئلہ نہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے نہ ان کے جلیل القدر شاگردوں سے، نہ ان کے اصحاب سے نہ مشائخ مذہب سے۔

انگوٹھے چومنے کی روایات والی کتب کی حیثیت:

اب ان دونوں کتابوں کا اور قہستانی کی تصنیفات کا حال سنیے۔ کنز العباد کے متعلق علامہ ملا علی قاری حنفیؒ لکھتے ہیں:

علی بن احمد الغوری لہ کتاب جمع فیہ مکروھات المذھب سماہ مفید المستفید ولہ

کنز العباد فی شرح الاوراد قال العلامۃ جمال الدین المرشدی فیہ احادیث سمجۃ موضوعۃ لا یحل سماعھا (النافع الکبیر: ص۱۲۱)

''علی ابن احمد غوری نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں مکروہات مذہب کو جمع کیا ہے، اس کا نام مفید ''المستفید'' رکھا ہے، اور انہیں کی کنز العباد بھی ہے، جس کی نسبت جمال الدین مرشدیؒ نے فرمایا کہ اس میں بہت بھونڈی اور موضوع حدیثیں ہیں، جن کا سننا حلال نہیں ہے''۔

اور علامہ المتاخرین حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

وکذا کنز العباد فانہ مملوء من المسائل الواھیۃ والاحادیث الموضوعۃ لاعبرۃ لہ عند الفقھاء ولا عند المحدثین (النافع الکبیر: ص۱۲۱)

''ایسے ہی غیر معتبر کتابوں میں سے کنز العباد بھی ہے، پس بہ تحقیق وہ کم زور و بے بنیاد مسئلوں اور موضوع حدیثوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس کتاب کا نہ فقہا کے نزدیک اعتبار ہے نہ محدثین کے نزدیک''۔

فتاویٰ صوفیہ کی نسبت برکلی، پھر صاحب کشف الظنون، پھر علامہ عبدالحیؒ لکھتے ہیں:

الفتاویٰ الصوفیۃ لیست من الکتب المعتبرۃ فلا یجوز العمل بما فیھا الا اذا علم موافقتھا للاصول (النافع الکبیر: ص۱۲۲، مقدمہ عمدۃ الرعایہ)

''فتاویٰ صوفیہ معتبر کتابوں میں سے نہیں ہے، پس اس کے مسائل پر

عمل کرنا جایز نہیں ہے، جب تک ان مسائل کی موافقت اصول سے معلوم نہ ہو"۔

اور ایسا ہی علامہ ابن کمال باشاؒ نے فرمایا ہے۔ اس قول کو مولانا عبدالحئیؒ نے فوائد بہیہ: ص ۱۵۳ میں ذکر فرمایا ہے۔

قہستانی اور ان کی تصنیفات کے متعلق علامہ صالح جینینیؒ، پھر محقق ہبۃ اللہ بعلیؒ، پھر علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ جن کتابوں سے فتویٰ دینا جایز نہیں ہے بہ وجہ اس کے کہ ان کے مصنّفین کا حال معلوم نہیں ہے، (ان میں سے) شرح نقایہ قہستانی بھی ہے (جس کو جامع الرموز کہتے ہیں)۔ یہ قول شامیؒ نے ردالمحتار: ج۱، ص ۵۰، اور مولانا عبدالحئیؒ نے النافع الکبیر: ص ۱۱۸ میں نقل کیا ہے، اور ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے:

لقد صدق عصام الدين فى حق القهستانى انه لم يكن من تلامذة شيخ الاسلام الهروى لا من اعاليهم ولا من ادانيهم وانما كان دلال الكتب فى زمانه ولا كان يعرف الفقه ولا غيره بين اقرانه ويويده انه يجمع فى شرحه هذا بين الغث والسمين والصحيح والضعيف من غير تصحيح ولا تدقيق فهو كحاطب الليل جامع بين الرطب واليابس فى الليل (مقدمہ عمدۃ الرعایہ: ص ۱۱)

"مولیٰ عصام الدینؒ نے قہستانی کے حق میں سچ فرمایا ہے کہ نہ تو شیخ الاسلام ہرویؒ کے بڑے شاگردوں میں تھے نہ چھوٹوں میں، وہ تو صرف اپنے زمانے میں کتابوں کے دلال تھے، اور وہ اپنے ہم سروں

میں نہ فقہ جانتے تھے نہ اور کچھ۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اپنی اس شرح نقایہ (جامع الرموز) میں موٹی پتلی صحیح وضعیف باتوں کو بغیر تصحیح وتدقیق کے جمع کر دیتے ہیں، پس وہ رات کے لکڑہارے کی طرح ہیں، جو رات میں خشک وتر ہر قسم کی لکڑی جمع کرتا ہے"۔

اور اسی کی تائید علامہ شامیؒ نے تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں کی ہے:

والقهستانى كجارف سيل وحاطب ليل خصوصا واستناده الى كتب الزاهدى المعتزلى (مقدمہ عمدۃ الرعایہ: ص ۱۰)

اور مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے بھی جامع الرموز قہستانی کے غیر معتبر ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ (مقدمہ عمدۃ الرعایہ: ص ۱۰، اور النافع الکبیر: ص ۴۸)

فتوے کا اصول:

ان تصریحات سے روشن ہو گیا کہ کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ اور جامع الرموز یہ تینوں کتابیں نامعتبر ہیں۔ ان سے فتویٰ دینا جایز نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ ان تینوں کے علاوہ اور کسی معتمد ومستند کتاب میں "تقبیل ابہامین" کا استحباب مذکور نہیں ہے، لہٰذا حسب تصریح علامہ عبدالحی لکھنویؒ اس کے استحباب کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ فرماتے ہیں:

فان وجد مسئلة فى كتاب ولم يوجد لها اثر فى الكتب المعتمدة ينبغى ان يتصفح ذلك فيها فان وجد فيها والا لايجترئ على الافتاء بها. (النافع الكبير: ص ۱۱۸)

"اگر کوئی مسئلہ کسی کتاب میں پائے اور کتب معتبرہ میں اس کا کوئی

نشان نہ ملے تو چاہیے کہ اس کو کتب معتبرہ میں اچھی طرح تلاش کرے، اگر پا جائے تو خیر ورنہ اس پر فتویٰ دینے کی جرأت نہ کرے"۔

علامہ شامیؒ کی برأۃ:

اب صرف یہ بات رہ جاتی ہے کہ اس مسئلے کو (علامہ شامیؒ اور طحطاویؒ نے) بھی نقل کیا ہے، سو معلوم ہونا چاہیے کہ ان دونوں بزرگوں نے اس مسئلے کو قہستانی کے حوالے سے نقل کیا ہے، لہٰذا پھر دارومدار قہستانی ہی پر رہا، اور قہستانی کا نامعتبر ہونا خود علامہ شامیؒ نے اپنی متعدد تصنیفات میں ظاہر کیا ہے، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ خود ردالمحتار میں اس کو لکھا ہے۔ پس قہستانی کو نامعتبر لکھنے کے بعد مسئلے لکھ کر قہستانی کا حوالہ دینا اور کسی معتبر کتاب سے اس کی تائید نہ لانا اس بات کی دلیل ہے کہ علامہؒ کے نزدیک یہ قول قوی نہیں ہے۔ چناں چہ علامہ شامیؒ نے خود ہی "عقود رسم المفتی" کی شرح میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے کے لوگ متاخرین کی کسی کتاب میں بالخصوص ایسی کتابیں جن کی تحریر و تہذیب نہیں ہوئی، جیسے قہستانی کی شرح نقایہ (جامع الرموز) میں کوئی مسئلہ دیکھ کر فتویٰ دیتے ہیں تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔

اس کے علاوہ کسی مسئلے کا چند کتابوں میں موجود ہونا بھی اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں، جب تک اس کی بنیاد صحیح نہ ہو۔ چناں چہ علامہ شامیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ واسطہ در واسطہ کر کے بیسیوں کتابوں میں نقل ہو جاتا ہے۔ حال آں کہ وہ محض غلط ہوتا ہے اور اس میں غلطی پہلے لکھنے والے کی ہوتی ہے، اس کے بعد دوسرا آتا ہے اور اس کو بے تحقیق کیے نقل کر جاتا

ہے، اور اسی طرح ہوتے ہوتے بیسیوں مصنف نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ شامیؒ نے کئی مثالیں اس کی فقہ سے نقل کی ہیں، پس ناچیز کہتا ہے کہ اگر علامہ شامیؒ اور طحطاویؒ نے اس مسئلے کو نقل کر کے اس کی تائید میں دوسری معتبر کتابوں کے حوالے پیش کیے ہوتے تو بے شک اس میں قوت پیدا ہوتی، لیکن صرف نقل کر کے قہستانی کا حوالہ دینے سے اس میں کچھ زور پیدا نہیں ہوتا بلکہ شامی کی عبارت سے تو بہ ظاہر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ انہوں نے مسئلہ ذکر کرنے کے بعد فردوس دیلمی کی روایت کا صحیح نہ ہونا علامہ جراحیؒ سے نقل کیا اور سکوت فرمایا۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ "تقبیل ابہامین" کا استحباب فقہی طور پر ثابت نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کے استحباب کا فتویٰ دینا حسب تصریح علامہ شامیؒ وغیرہ کے صحیح نہیں ہے۔

انگوٹھے چومنے کی روایات کی تحقیق:

۲...... "تقبیل ابہامین" کے متعلق کتب فقہ میں جو کچھ ہے وہ معلوم ہو چکا۔ اب رہے وہ آثار یا احادیث جو اس باب میں منقول ہیں ان کا حال سنیے۔

علامہ سخاویؒ نے مقاصد حسنہ میں تقبیل ابہامین کی ایک حدیث بہ روایت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اور اسی طرح حضرت خضر سے جو مروی ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے، پھر اسی حدیث کو ملا علی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں نقل کیا ہے اور مرفوع کے صحیح نہ ہونے کی موافقت کی ہے، اور اسی حدیث کو ملا علی قاریؒ اور علامہ محمد طاہر گجراتیؒ نے "تذکرۃ الموضوعات" میں ذکر کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث مذکور موضوعات میں سے ہے،

اور علامہ شامیؒ نے بھی اس کا صحیح نہ ہونا علامہ جراحیؒ سے نقل کیا ہے۔

اس کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فعل اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قول دونوں ایک ہی روایت میں مذکور ہے، اور اس روایت کو نقل کر کے علامہ سخاویؒ نے لکھا ہے کہ صحیح نہیں ہے، لہٰذا جس طرح مرفوع کا صحیح نہ ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے اسی طرح اثر کی عدم صحت بھی اس سے ثابت ہوتی ہے۔ پس جو شخص اس کا مدعی ہو کہ مرفوع تو ثابت نہیں ہے لیکن اثر صدیقؓ ثابت ہے اس کو اثر کی صحت کے لیے دلیل لانی چاہیے۔

اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف بھی اس کی نسبت کی جاتی ہے، لیکن جو سلسلۂ اسناد اس کے لیے ذکر کیا جاتا ہے وہ منقطع ہے۔ اس کے علاوہ اس سلسلے کے راویوں کا حال معلوم نہیں ہے، نہ وہ خود معروف ہیں۔ اسی بنا پر میرے نزدیک مرفوع، اثر صدیقؓ اور اثر حسنؓ میں سے کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہے۔ مدعی ثبوت کو اسناد صحیح سے ثابت کرے، ورنہ کم از کم ایسی اسناد تو ہو جس کے رواۃ معروف ہوں، اگرچہ کسی راوی میں کسی قدر ضعف ہی ہو، لیکن یہاں تو یہ حال ہے کہ حدیث واثر صدیقؓ کی اسناد ہی کا پتہ نہیں۔ اثر خضر کی اسناد بہ تصریح علامہ سخاویؒ منقطع ہے اور اس میں کئی مجہول اشخاص ہیں، اور حضرت حسنؓ کا اثر بھی منقطع ہونے کے علاوہ غیر معروف اشخاص سے منقول ہے۔ بھلا ایسی چیزوں سے کسی امر کا استحباب ثابت ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

فضائل اعمال کی احادیث پر عمل کی تین شرطیں:

عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے (کہ) ضعیف حدیث فضائل اعمال میں کار آمد ہے، لیکن یہ بہت اُدھ کٹی بات ہے، پوری بات سے اکثر علما ناواقف ہیں۔

سنیے! اس کی تحقیق یہ ہے کہ ہر ضعیف حدیث فضائل اعمال میں بھی کار آمد نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے تین شرطیں ہیں:

اول یہ کہ وہ حدیث ضعیف بہت زیادہ ضعیف نہ ہو۔ جیسے جھوٹے راویوں کی حدیث یا ان راویوں کی حدیث جن پر جھوٹ کی تہمت لگائی گئی ہو، یا ان راویوں کی روایت جن کی غلطی بہت ظاہر ہو گئی ہو۔

دوم یہ کہ جو مضمون اس حدیث ضعیف سے ثابت ہوتا ہے وہ کسی دوسرے معمول بہ اصل شرعی کے ماتحت داخل ہو جائے۔

سوم یہ کہ اس حدیث ضعیف پر عمل کرنے سے اس ثبوت کا اعتقاد نہ کیا جائے بلکہ صرف احتیاط کا قصد کیا جائے۔

علامہ سیوطیؒ نے ان تینوں شرطوں کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے حوالے سے ''تدریب الراوی'' میں نقل کیا ہے، اور پھر اس کو علامہ عبدالحیؒ نے الاجوبة الفاضلة میں ذکر فرمایا ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو:

> ذکر شیخ الاسلام لہ ثلاث شروط احدها ان یکون الضعیف غیر شدید الضعف فیحترز من الکذابین والمتهمین بالکذب ومن فحش غلطه والثانی ان یندرج تحت اصل معمول به والثالث ان لا یقصد عند العمل به ثبوته بل یعتقد الاحتیاط (ص۴۲)

اور اس کے مثل علامہ سخاویؒ نے القول البدیع: ص ۱۹۵ میں ذکر فرمایا ہے۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ حدیث مذکور سے تقبیل ابہامین کا استحباب ثابت کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اولاً تو سخاویؒ وغیرہ نے اس کی نسبت لا یصح کہا

ہے، جس سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ حدیث مذکور صحیح نہیں، لیکن اس کا پتہ نہیں چلا کہ صحیح نہیں ہے تو آیا معمولی درجے کی ضعیف ہے یا اس میں غیر معمولی ضعف ہے؟ یا منکر وموضوع کی حد کو پہنچ گئی ہے؟ اس لیے لا یصح ان سب احتمالات کو شامل ہے۔ پس تاوقتے کہ یہ ثابت نہ کیا جائے کہ حدیث مذکور میں جو ضعف ہے وہ معمولی درجے کا ہے اس سے ''تقبیل ابہامین'' کا استحباب کرنا صحیح نہیں ہوسکتا۔

یہ قاعدہ نہایت مشہور ہے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال کہ جب احتمال پیدا ہوجائے تو استدلال باطل ہوجائے گا، اور احتمال اول کے علاوہ بقیہ احتمالات کو رد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث مذکور کی پوری سند نقل کرکے ان کے جملہ راویوں کے متعلق کتب رجال سے ائمۂ فن کے اقوال پیش کیے جائیں، پھر یہ ثابت کیا جائے کہ ان اقوال کی رو سے حدیث مذکور میں جو ضعف پیدا ہوگا وہ غیر معمولی نہ ہوگا۔ لہٰذا حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی پہلی شرط متحقق ہوجائے گی۔ کیا کوئی صاحب جو استحباب تقبیل کے قائل ہیں اس کی جرأت کریں گے؟

خیر! اگر یہ نہ ہوسکے تو کسی محدث کا یہ قول دکھائیں کہ حدیث مذکور معمولی درجے کی ضعیف ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ حدیث کے صحت وسقم اور اس صحت وسقم کے مراتب کے بیان میں محدث کا قول معتبر ہوگا، اس لیے کسی عالم کے بہت بڑے فقیہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ فن حدیث میں بھی اس کا وہی درجہ ہو۔ چناں چہ ملا علی قاریؒ نے صاف تصریح کی ہے کہ صاحب نہایہ وغیرہ اگر کسی حدیث کو نقل کریں تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ حال آں کہ دنیا جانتی ہے کہ صاحب نہایہ وغیرہ زبردست فقیہ ہیں۔ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔ حوالہ: مقدمہ عمدۃ الرعایہ: ص۱۳ اور ردع الاخوان: ص۴۲ وغیرہ دیکھنا چاہیے۔

اس کے ساتھ یہ خیال بھی رکھنا چاہیے کہ اگر علامہ سخاویؒ کے قول لا یصح میں وہ تینوں احتمالات پیدا ہوئے ہیں لیکن تیسرا احتمال زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ علامہ محمد طاہر گجراتی حنفیؒ (المتوفی ۹۸۶ھ) نے اس حدیث کو ''تذکرۃ الموضوعات'' میں ذکر کیا ہے۔

ثانیاً پہلی بات ثابت کرنے کے بعد یہ ثابت کیا جائے کہ ''تقبیل ابہامین'' فلاں اصل شرعی کے ماتحت داخل ہے۔

ثالثاً ان دونوں کے ثابت کرنے کے بعد بھی اس پر عمل کرنے پر مقصود یہ نہ ہو کہ ''تقبیل ابہامین'' حدیث سے ثابت ہے، بلکہ محض بنا بر احتیاط عمل کیا جائے۔

صورت مسئولہ میں یہ بات بھی مفقود ہے، اس لیے کہ جو لوگ اس پر عمل کرتے ہیں وہ اس کو ثابت شدہ چیز سمجھتے ہیں، بلکہ نہ کرنے والے پر بسا اوقات انکار کرتے ہیں، ورنہ کم از کم دل میں ''وہابی'' وغیرہ سمجھتے ہیں۔

ایک ضروری وضاحت:

یہاں پہنچ کر مجھ کو ایک حدیث کی تحقیق وتشریح کردینا ضروری ہے، جس کو بعض فن حدیث سے ناواقف اشخاص اس بحث میں پیش کیا کرتے ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے:

من بلغه عن الله عز وجل شيء فيه فضيلة فاخذ به ايمانا ورجاء ثوابه اعطاه الله ذلك وان لم يكن كذالك

''جس کو خدا سے کوئی ایسی بات پہنچے جس میں ثواب ہو پس وہ اس کو

از روئے ایمان کے اور بہ امید ثواب لے لے تو اس کو اللہ تعالیٰ وہ ثواب عطا فرمائیں گے، اگرچہ واقع میں ایسا نہ ہو"۔

اس حدیث سے وہ یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ کوئی ثواب کی بات اگرچہ غیر صحیح طریقے سے معلوم ہو تو اس پر عمل کرنے سے ثواب مل جائے گا، چاہے وہ واقع میں غلط ہی کیوں نہ ہو، لیکن اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ان کا یہ قول اس اطلاق وعموم کے ساتھ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ کسی موضوع روایت سے بھی کوئی ثواب کی بات معلوم ہو تو اس پر عمل کرنے سے ثواب مل جائے؟ اس لیے کہ حدیث میں کوئی قید موضوع یا ضعیف کی نہیں ہے۔ حال آں کہ موضوع روایت پر عمل کرنا بہ تصریح علمائے مذاہب حرام ہے۔ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد صرحوا بان العمل بالحديث الموضوع وكذا ذكره من دون اقتران حكم وضعه محرم

"علما نے تصریح کی ہے کہ موضوع حدیث پر عمل کرنا اسی طرح بغیر بیان وضع کے اس کا ذکر کرنا دونوں حرام ہیں"۔ (ردع الاخوان: ص۴۴) (۱)

پس لامحالہ اس حدیث میں تاویل لازم ہوگی اور یہ کہنا پڑے گا کہ یہ حکم غیر موضوع حدیثوں کا ہے، اور جب کوئی یہ قید لگائے گا تو دوسرے شخص کو بھی اختیار

(۱) اور علامہ سخاویؒ القول البدیع: ص۱۹۶ میں لکھتے ہیں:

واما الموضوع فلا يجوز العمل به بحال وكذا روايته الا ان قرن ببيانه

"لیکن موضوع، پس اس پر عمل کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے، اور ایسا ہی اس کا روایت کرنا، مگر جب اس کا موضوع ہونا بیان کر دیا جائے"۔ (اعظمی)

ہوگا کہ وہ یہ قید لگائے کہ اس حدیث کو غیر موضوع ہونے کے ساتھ شدید الضعف بھی نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ ضعیف پر عمل کے جواز کے لیے اس کا شدید الضعف نہ ہونا بھی بہ اتفاق علما شرط ہے۔

اتنا سننے کے بعد اب اس حدیث کا صحیح مطلب سنیے۔ علامہ سخاویؒ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ایک شبہ کیا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعیف حدیث (پر) بہ امید ثواب عمل کر سکتا ہے، حال آں کہ محدثین نے ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لیے یہ شرط ذکر کی ہے کہ اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ کرے، بلکہ محض بنا بر احتیاط عمل کرے، اس کے بعد اس شبہے کا جواب دیا ہے کہ اس حدیث سے ضعیف حدیث پر عمل کرنا مراد ہی نہیں ہے، بلکہ صحیح حدیث پر عمل کرنا مراد ہے، اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ اگر کسی کو بہ اسناد صحیح کوئی ایسی بات پہنچے جس میں ثواب ہو اور وہ بہ امید ثواب اس پر عمل کرے تو اس کو ثواب مل جائے گا، چاہے وہ بات واقعے میں غلط ہی ہو۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ جو حدیث متواتر نہ ہو اس میں باوجود اسناد کے صحیح ہونے کے یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ ممکن ہے یہ غلط ہو، لیکن چوں کہ ہم واقع اور حقیقت نفس الامری کو معلوم کرنے کے مکلف نہیں ہیں، اس لیے جو چیز ظاہر کے اعتبار سے بہ سند صحیح ہم کو پہنچے کہ اس پر عمل کرنا۔ اب اگر بالفرض وہ چیز واقعے کے لحاظ سے غلط بھی ہوگی تو ہم ثواب سے محروم نہیں ہوں گے۔

اس کے بعد دوسرا جواب دیا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث مذکور میں ضعیف پر عمل کرنے میں ثواب کی امید خود اس حدیث کی بنیاد پر نہ رکھے، بلکہ اس بنا پر کہ وہ کسی دوسرے نص کے عموم میں بھی داخل ہے، اس لیے اس پر ثواب کی توقع

رکھے۔اصل الفاظ علامہ سخاویؒ کے یہ ہیں:

فان قیل کیف هذا مع اشتراطهم فی جواز العمل بالضعیف عدم اعتقاد ثبوته قلنا بحمله علی ما صح مما لیس بقطعی حیث لم یکن صحیحا فی نفس الامر او بحمله ان کان عاما بحیث یشمل الضعیف علی اعتقاد الثبوت من حیث ادراجه فی العمومات لا من جهة السند (المقاصد الحسنۃ: ص۱۹۱)

اور اس کے مثل علامہ علی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں علامہ ابن حجر مکیؒ سے نقل کیا ہے۔اس تشریح سے معلوم ہوگیا کہ حدیث من بلغه الخ کا جو مطلب بعض لوگوں نے سمجھا ہے وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث بھی صحیح حدیث پر عمل کرنے کے باب میں ہے، اور اگر ضعیف پر عمل کرنے کو بھی اس میں شامل کیا جائے تو اس سے وہی ضعیف مراد ہے جو شدید الضعف نہ ہو اور وہ کسی دوسرے نص کے عموم میں داخل بھی ہو، اور اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ ہم نے جو شرطیں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لیے علما کے کلام سے نقل کی ہیں وہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہیں۔

لوگوں کو غلطی میں ڈالنا:

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اس حدیث کو ''تقبیل ابہامین'' کے مسئلے میں اس کا استحباب ثابت کرنے کے لیے اس کو پیش کرتے ہیں وہ بڑی غلطی میں مبتلا ہیں، یا لوگوں کو غلطی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔اس لیے کہ جب تک حدیث ''تقبیل ابہامین'' کا شدید الضعف اور موضوع نہ ہونا یا پھر اس کا کسی دوسرے

نص شرعی کے عموم میں داخل ہونا ثابت نہ کریں۔حدیث من بلغه الخ کو پیش کرنا بے سود ہے۔

یہ حدیث قابل استناد کیوں نہیں؟

یہ ساری گفتگو اس وقت ہے جب حدیث: من بلغه الخ کو صحیح تسلیم کرلیا جائے اور مدعی اس حدیث کی صحت ثابت کرے، ورنہ اس کا اتنا جواب کافی ہے کہ یہ حدیث قابل استناد نہیں، اور اس کی صحت بہ موجب اصول محدثین ثابت نہیں، اور قبل اثبات صحت حدیث اس سے جواز عمل بالضعیف پر استدلال کرنا مصادرہ علی المطلوب کے قبیل سے ہے۔

اب رہا یہ کہ ہم کیوں کہتے ہیں کہ یہ حدیث قابل استناد نہیں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بنا بر تصریح ملا علی قاریؒ حدیث: من بلغه الخ کو بے اصل کہا ہے۔اصل الفاظ ملا علی قاریؒ کے یہ ہیں:

قد سبق عن العسقلانی فی الکلام علی لو حسن احدکم ظنه بحجر لنفعه الله به فقال لا اصل له ونحوه حدیث من بلغه شیء الحدیث (موضوعات کبیر: ص۱۲۹)

''حدیث لو حسن احدکم ظنه الخ کی بحث میں ابن حجر عسقلانیؒ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ حدیث لو حسن احدکم الخ بے اصل ہے اور ایسی ہی حدیث من بلغه شیء الخ بھی بے اصل ہے''۔

اور اسی کے مثل موضوعات کبیر ص۱۰۸ میں بھی ہے اور ایسے ہی علامہ سخاویؒ

نے بھی حدیث لو حسن احد کم الخ کو بے اصل نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اسی حدیث کی طرح من بلغه کو بھی قرار دیا ہے اور اخیر میں لا یصح بھی لکھا ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں:

قال شیخنا لا اصل له قلت ونحوه حدیث من بلغه الخ (ص۱۶۰)

اور علامہ محمد طاہر گجراتی حنفیؒ نے بھی علامہ سخاویؒ کا یہ کلام تذکرۃ الموضوعات: ص ۲۸ میں نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ ملا علی قاریؒ نے تصریح کی ہے:

له طرق لا تخلو من متروك ومن لا يعرف كما ذكره السخاوي (ص۱۲۹)

"اس حدیث کے کئی طریق ہیں، لیکن کوئی طریقہ متروک اور مجہول راوی سے خالی نہیں ہے، جیسا کہ علامہ سخاویؒ نے ذکر کیا ہے"۔

بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکور بعض محدثین کے نزدیک تو سرے سے بے اصل ہے اور بعض کے نزدیک اگر بے اصل نہیں تو کم از کم اتنا ضرور ہے کہ وہ متروک اور مجہول راویوں سے مروی ہے، لہٰذا ضعیف ہے، اور اس کی تصریح ملا علی قاریؒ نے کی ہے:

الا ان غاية الامر فيه انه ضعيف

"مگر غایۃ الامر یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے"۔

پس ضعیف حدیث سے جواز عمل بر ضعیف ثابت کرنا مصادرہ علی المطلوب ہے۔ یہ بھی بر تنزل، ورنہ سخاویؒ و ابن حجرؒ کے قول پر تو یہ بے اصل حدیث سے استدلال کرنا ہوا۔

تنبیہ:

اب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جب حدیث "تقبیل ابہامین" کا حال معلوم ہو چکا اور محدثین کے اقوال اس کی نسبت ذکر کیے جا چکے، اور حدیث ضعیف پر عمل جایز ہونے کی شرطیں معلوم ہو چکیں تو اب طحطاویؒ کا یہ قول بمثله يعمل في الفضائل (یعنی اس کے مثل پر فضائل میں عمل کیا جائے گا) کیا فائدہ دے سکتا ہے؟ جب کہ طحطاویؒ نے اس بات کو کسی محدث کے حوالے سے نقل نہیں کیا اور نہ حدیث واثر کے راویوں کو ذکر کر کے ان اسنادوں کا حال ظاہر کیا، بلکہ مرفوع ابو بکر صدیقؓ اور اثر خضر کو بے سند کے ذکر کر کے لکھ دیا کہ اس کے مثل پر فضائل میں عمل ہو سکتا ہے۔ حال آں کہ ائمۂ فن ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ)، علامہ سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ)، علامہ سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) اور علامہ عبدالحیؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) کی تصریحات گزر چکیں کہ ضعیف کے قابل عمل ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں، اور ان میں سے ایک شرط بھی حدیث "تقبیل ابہامین" میں نہیں پائی جاتی۔ اس کے علاوہ حدیث تقبیل کو علامہ محمد طاہر گجراتیؒ (المتوفی ۹۸۶ھ) اور ملا علی قاریؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) نے اپنے اپنے موضوعات میں ذکر کر کے اس کا موضوع نہ ہونا ظاہر نہیں کیا ہے۔ پس اگر وہ در حقیقت موضوع ہو تو اس کی نسبت بمثله يعمل في الفضائل لکھنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟ حال آں کہ یہ ظاہر ہے کہ علامہ گجراتیؒ اور ملا علی قاریؒ کا پایۂ فن حدیث میں طحطاوی سے بہت بلند ہے، اور یہ دونوں بزرگ علوم حدیث میں صاحب تصانیف ہیں۔ بر خلاف ان کے طحطاویؒ کی فن حدیث میں کوئی تصنیف معلوم نہیں اور اگر تقدم زمان کے اعتبار سے کوئی ترجیح کا قایل ہو تو ان دونوں بزرگوں کو تقدم زمانی بھی

حاصل ہے۔ اس لیے کہ گجراتیؒ نے دسویں صدی میں اور ملا علی قاریؒ نے گیارھویں صدی کے ابتدا میں وفات پائی ہے، اور علامہ طحطاویؒ نے تیرہویں صدی کے آخر میں یا اوسط میں وفات پائی ہے۔ علامہ شامیؒ کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ طحطاویؒ ۱۲۲۹ھ میں زندہ تھے۔

۳...... جواب سوال دوم کے ضمن میں یہ اچھی طرح واضح ہوگیا کہ حدیث ''تقبیل ابہامین'' و''اثر صدیق'' کی سند ہی کا پتہ نہیں اور بے سند بات قطعاً قابل اعتماد نہیں ہے۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ نے اسناد کے ضروری ہونے کے متعلق ائمۂ اسلام کے اقوال نقل کرنے کے بعد الاجوبۃ الافاضلۃ: ص ۳۰ میں لکھا ہے:

فھذہ العبارات بصراحتھا وباشارتھا تدل علی انہ لابد من الاسناد فی کل امر من امور الدین وعلیہ الاعتماد اعم من ان یکون ذالك الامر من قبیل الاخبار النبویۃ والاحکام الشرعیۃ او المناقب والفضائل او المغازی والسیر والفواضل وغیر ذالك من الامور التی لھا تعلق بالدین المتین والشرع المبین فشیء من ھذہ الامور لاینبغی الاعتماد علیھا ما لم یتاکد بالاسناد لاسیما بعد القرون المشھود لھا بالخیر

''یہ عبارتیں صراحتاً واشارتاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دین کے ہر امر میں اسناد ضروری ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔ عام ازیں کہ وہ امر احادیث نبویہ ہو یا احکام شرعیہ سے یا مناقب وفضائل میں سے یا

مغازی وسیر وفواضل وغیرہ میں سے، جس کو کوئی تعلق دین وشریعت سے ہے۔ پس ان میں سے کسی امر پر اعتماد کرنا لایق نہیں جب تک اسناد کے ساتھ موکد نہ ہو، خصوصاً قرون خیر کے بعد(۱)''۔

پس اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حدیث تقبیل واثر صدیقؓ بلاسند ہونے کی وجہ سے قطعاً قابل اعتماد نہیں ہیں۔ نیز علامہ سخاویؒ کا لایصح کہنا اور علامہ گجراتیؒ وملا علی قاریؒ کا اس حدیث کو موضوعات کی کتاب میں ذکر کرنا اور اس کے موضوع نہ ہونے کی تصریح نہ کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ حدیث اگر موضوع نہیں تو شدید الضعف ضرور ہے، اور یہی حال اثر صدیقؓ کا بھی ہے۔ یہاں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ حدیث کے معتبر ہونے کے لیے سند معتمد کا ہونا ضروری ہے، ورنہ کم از کم یہ ہونا چاہیے کہ کسی امام یا کسی معتمد محدث نے اس پر اعتماد کیا ہو۔ پس کسی فقہ کی کتاب میں بالخصوص متاخرین کی کتابوں میں کسی حدیث کے موجود ہونے سے اس کا قابل اعتماد ہونا ثابت نہیں ہوسکتا، تاوقتے کہ پہلی دو باتوں میں سے کوئی بات نہ پائی جائے۔ چناں چہ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

من ھھنا نصوا علی انہ لا عبرۃ للاحادیث المنقولۃ فی الکتب المبسوطۃ ما لم یظھر سندھا او یعلم اعتماد ارباب الحدیث علیھا وان کان مصنفھا فقیھا جلیلا یعتمد علیہ فی نقل الاحکام

---

(۱) مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے اسی کتاب میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ اس امت میں احادیث کے وضع کرنے والے بہت سے ہوئے ہیں، لکھا ہے: فارتفع الامان عن الاخبار ما لم یوجد لھا سند معتمد او اعتمد بہ واحد من الاخیار (ص ۴۰) یعنی حدیثوں سے امان اٹھ گیا، جب تک کہ اس کے لیے کوئی معتمد سند نہ ملے یا اس پر کوئی بہتر (محدث) اعتماد نہ کرے۔ (اعظمی)

و حكم الحلال و الحرام (اجوبۂ فاضلہ: ص ۴۰)

''اسی لیے علما نے تصریح کی ہے کہ کتب مبسوطہ میں جو حدیثیں منقول ہیں ان پر اعتماد نہیں ہے، جب تک ان کی سند ظاہر نہ ہو یا محدثین کا اعتماد اس کی نسبت معلوم نہ ہو، اگرچہ ان کتابوں کا مصنف بڑا زبردست فقیہ ہو کہ نقل احکام وحکم حلال وحرام میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہو''۔

دیلمی اور ان کی کتابیں:

اور اس حدیث تقبیل کا بے سند ہونا تو ظاہر ہے، اس کے ساتھ کسی محدث کا اس پر اعتماد کرنا بھی ثابت نہیں ہے، بلکہ سوائے دیلمی کے اور کسی نے اس کو ذکر بھی نہیں کیا ہے، اور دیلمی کی کتاب الفردوس کا حال یہ ہے:

كتاب الفردوس للديلمي فيه موضوعات كثيرة اجمع اهل العلم على ان مجرد كونه رواه لا يدل على صحة الحديث (اجوبۂ فاضلہ: ص ۴۹)

''کتاب الفردوس دیلمی میں بہ کثرت بناوٹی حدیثیں ہیں۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ محض دیلمی کے روایت کرنے سے کسی حدیث کی صحت ثابت نہیں ہوتی''۔

اس کلام کی صداقت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ موضوعات کی کتاب میں اکثر روایات فردوس دیلمی کی ملتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فردوس دیلمی بلکہ دیلمی کی جملہ تصنیفات کو طبقۂ رابعہ میں شمار کیا ہے، اور طبقۂ رابعہ کی کتابوں کا حال یوں لکھا ہے:

''طبقۂ رابعہ احادیثے کہ نام ونشاں آں ہا در قرون سابقہ معلوم نبود، ومتاخراں آں را روایت کردہ اند، پس آں ہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند، وآں ہا را اصلی نیافتہ اند تا مشغول بہ روایت آں ہا می شدند یا یافتند ودراں قدحی وعلتی دیدند کہ باعث شد ہمہ آں ہا نرا برترک آں ہا وعلی کل تقدیر ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عمل بہ آں ہا تمسک کردہ شود''۔ (عجالۂ نافعہ: ص ۷)

''چوتھے طبقے کی وہ حدیثیں ہیں جن کا نام ونشان پہلی قرنوں میں معلوم نہ تھا، بلکہ متاخرین نے ان کو روایت کیا ہے۔ پس وہ حدیثیں دو حال سے خالی نہیں، یا تو سلفؒ نے ان کی تفتیش کی اور ان کی کوئی اصل نہیں پائی کہ اس کی روایت کے ساتھ مشغول ہوں، یا ان حدیثوں میں کوئی قدح وعلت پائی جو ان سب کے لیے ترک روایت کا باعث ہوئی۔ سو ہر تقدیر پر یہ حدیثیں اعتماد کے لائق نہیں ہیں کہ کسی عقیدے یا عمل کے اثبات کے لیے ان سے کام لیا جائے''۔

ملا علی قاریؒ کی ایک عبارت سے شبہ اور اس کا جواب:

بہر حال حدیث ''تقبیل ابہامین'' بالکل قابل اعتبار واعتماد نہیں ہے، اور یہی حال اثر صدیقؓ کا بھی ہے، اس لیے کہ وہ بھی فردوس دیلمی ہی سے منقول ہے، اور اس کی بھی سند کا پتہ نہیں ہے، لیکن بعض لوگوں کو ملا علی قاریؒ کی ایک عبارت سے اس کے ثبوت کا شبہ پیدا ہو سکتا ہے، اس لیے اس شبہے کا ازالہ ضروری معلوم ہوا۔

(ازالۂ شبہ) ملا علی قاریؒ نے ''حدیث تقبیل ابہامین'' اور اس کے متعلق

علامہ سخاویؒ کا کلام نقل کر کے لکھا ہے:

قلت واذا ثبت رفعه الى الصديق فيكفى للعمل به الخ

اس عبارت کا مطلب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ملا علی قاریؒ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تقبیل ابہامین کرنا ثابت مان لیا، اور اس کو کرنے کے لیے کافی تسلیم کرلیا۔ حال آں کہ اس عبارت کا یہ مطلب قرار دینا قواعد عربیت کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے کہ علمائے عربیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اذا شرط کے لیے ہے مستقبل میں، چناں چہ اسی وجہ سے اس کے بعد والے دونوں جملے ہمیشہ ''فعلیہ استقبالیہ'' ہوتے ہیں، اور اگر کبھی اس کی مخالفت کی جاتی ہے تو صرف لفظ میں مخالفت کی جاتی ہے، معنی میں پھر بھی مستقبل ہی ہوتے ہیں۔ تلخیص المفتاح میں ''ان'' اور ''اذا'' کے متعلق لکھا ہے:

ولكونهما لتعليق امر بغيره فى الاستقبال كان كل من منهما فعلية استقبالية ولا يخالف ذالك الفاظ الا لنكتة

اور اس کی شرح میں علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں:

وقوله لفظا اشارة الى أن الجملتين وان جعلت كلتاهما او احداهما اسمية او فعليه ماضية فالمعنى على الاستقبال (مختصر)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ''اذا'' کے بعد اگر لفظ ماضی بھی ہو تو اس کا ترجمہ مستقبل کا کیا جائے۔ لہٰذا ملا علی قاری رحمہ اللہ کی عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا:

''میں کہتا ہوں جب ثابت ہوجائے گا اس کا رفع (یعنی تقبیل

ابہامین کا نسبت کرنا) حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب تو بھی کافی ہوگا عمل کے لیے''۔

پس اس ترجمے کی بنا پر یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ملا علی قاریؒ نے اثر صدیق رضی اللہ عنہ کو ثابت مان لیا، بلکہ وہ تو شرط کے طور پر اس کو ذکر کرتے ہیں کہ جب ثابت ہوگا تو عمل کے لیے کفایت کرے گا، لیکن یہ کہ وہ ثابت ہے یا نہیں؟ اس کا حال کچھ نہیں کھلا۔

علاوہ بریں اذا ثبت کا ترجمہ جب کہ ثابت ہوگیا اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ اس سے پہلے کوئی دلیل یا کوئی بات ایسی مذکور نہیں ہے جو اس اثر کے ثبوت پر دلالت کرتی ہو۔ حال آں کہ یہ کہنا اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے جب ماقبل میں کوئی ایسی بات مذکور ہو، ورنہ بغیر اس کے یہ بالکل بے معنی کلام ہوجائے گا۔ پس جو شخص اذا ثبت کا ترجمہ جب ثابت ہوگیا کرتا ہے وہ اس کے ماقبل میں دلیل ثبوت دکھائے اور ثابت کرے کہ کس طرح اس اثر کا ثبوت ہوا؟

حضرت حسنؓ کا اثر اور محدثین کا کلام:

بہر حال جس طرح حدیث تقبیل بے سند ونا قابل اعتبار ہے اسی طرح اثر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بے سند ونا معتمد ہے۔

اب رہا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اثر سو اس کی نسبت بھی بتایا جا چکا کہ اس کی سند بھی منقطع ہے، اس لیے کہ اس کی اسناد مقاصد حسنہ میں یوں مذکور ہے:

قال وروى عن الفقيه محمد بن سعيد الخولانى قال اخبرنى الفقيه العالم ابو الحسن على بن محمد بن حديد الحسينى اخبرنى الفقيه الزاهد

البلالی عن الحسن.

"کہا (ابن صالح) نے کہ روایت کی گئی ہے فقیہ خولانی سے، انہوں نے کہا خبر دی مجھ کو علی ابن محمد حسینی نے، انہوں نے کہا خبر دی مجھ کو بلالی نے حضرت حسن سے"۔

ظاہر ہے کہ اگر "حسن" سے حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما مراد ہیں تو فقیہ بلالی کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہے، اس لیے کہ یہ کوئی متاخر آدمی معلوم ہوتے ہیں، لہٰذا سند منقطع ہوئی۔ علاوہ بریں یہ بلالی اور علی ابن محمد حسینی اور خولانی کسی کا پتہ نہیں ہے کون ہیں اور ان کا کیا حال ہے؟ اس کے علاوہ ابن صالح نے یہ نہیں کہا کہ میں نے خولانی سے سنا بلکہ یہ کہا کہ خولانی سے روایت کی گئی ہے۔ نہیں معلوم خولانی سے روایت کرنے والا کون ہے؟ بھلا ایسی بے سروپا سند سے صحابہ علیہم الرضوان کی طرف کوئی بات منسوب ہوسکتی ہے؟ حاشا وکلا!

حضرت خضر سے منسوب روایت کا حال:

اور یہی حال اس روایت کا بھی ہے جو حضرت خضر کی جانب منسوب ہے، بلکہ اس کی نسبت تو علامہ سخاویؒ نے بہت صراحت کے ساتھ لکھ دیا ہے:

لسند فيه مجاهل مع انقطاعه (مقاصد حسنہ: ص ۱۸۱)

"وہ ایسی سند سے مروی ہے جس میں کئی مجہول اشخاص ہیں اور وہ منقطع بھی ہے"۔

یہ تو حدیث و آثار کا حال ہے۔

انگوٹھے چومنے کا ذکر کرنے والے مصنّفین کا شمار کس طبقے میں ہے؟

عبارات کتب فقہیہ اور ان کے مصنّفین کا حال بھی پہلے لکھا جا چکا ہے، اب میں اس جگہ صرف اتنا ذکر کروں گا کہ جن کتابوں میں تقبیل کا استحباب مذکور ہے ان کے مصنّفین کس طبقے میں شمار کیے جاتے ہیں۔

پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ علامہ کفویؒ نے فقہائے حنفیہ کے پانچ طبقے ذکر کیے ہیں:

سب سے اول طبقہ ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کو قوی اور ضعیف، اسی طرح ظاہر مذہب "ظاہر الروایۃ" اور "روایات نادرہ" کی تمیز حاصل ہو اور بس! اس طبقے میں کفوی نے شمس الائمہ کردریؒ، جمال الدین حصیریؒ، حافظ الدین نسفیؒ، صاحب درمختارؒ، صاحب وقایہؒ اور صاحب مجمعؒ جیسے لوگوں کے نام لکھے ہیں۔ اور اس سے کم تر درجے کے لوگوں کو فقہا میں شمار نہیں کیا ہے، بلکہ لکھا ہے کہ

واما الذين هم دون ذالك فانهم كانوا ناقصين عامين يلزمهم تقليد علما عصرهم لايحل لهم ان يفتوا الا بطريق الحكاية.

"جو لوگ پانچویں طبقے سے بھی کم تر ہیں وہ ناقص اور عامی ہیں، ان کو اپنے عصر کے علما کی تقلید لازم ہے اور ان کے لیے افتا جایز نہیں، مگر بہ طریق حکایت کے"۔ (النافع الکبیر: ص ۵۷ ومقدمہ عمدۃ الرعایہ: ص ۸)

اور اسی پانچویں طبقے کو ابن کمال پاشا نے چھٹا قرار دیا ہے اور اس میں انھیں

حضرات کے نام لیے ہیں جن کو کفویؒ نے ذکر کیا ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ جب پانچویں یا چھٹے طبقے میں صاحب کنز وصاحب وقایہ جیسے لوگ شمار کیے گئے ہیں جن کی جلالت شان، فقاہت اوران کے متون کا اعتبار اظہر من الشمس ہے تو صاحب کنز العباد، صاحب فتاویٰ صوفیہ، قہستانی اور طحطاوی جن میں ان تین باتوں میں سے کوئی بھی حاصل نہیں ہے اس طبقے میں کیوں کر شمار ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا اہل انصاف خود فیصلہ کرلیں کہ ان کا شمار کس طبقے میں ہوگا۔

خلاصۂ کلام:

حاصل کلام مسئلہ استحباب تقبیل ابہامین ان مسائل کے قبیل سے ہے جن کو مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

الخامسة التی لم یدل علیها دلیل شرعی لا کتاب ولا حدیث ولا اجماع ولا قیاس مجتهد جلی او خفی لا بصراحة ولا بالدلالة بل هی من مخترعات المتاخرین الذین یقلدون طرق اٰبائهم ومشائخهم المتقدمین وحکمه الطرح والجرح
(النافع الکبیر: ص ۱۱۴)

"پانچویں قسم مسائل کی وہ ہے جس پر کوئی دلیل شرعی دلالت نہ کرے، نہ قرآن نہ حدیث نہ اجماع نہ کسی مجتہد کا جلی یا خفی قیاس، نہ صراحت کے ساتھ نہ دلالت کی رو سے، بلکہ وہ متاخرین کی ایجاد ہیں جو اپنے آباؤ اجداد اور گزرے ہوئے مشائخ کی صرف تقلید کرتے ہیں، اوراس قسم کے مسائل کا حکم ان کو پھینک دینا اور مجروح کرنا ہے"۔

۴ ...... بیان بالا سے بہ وضاحت معلوم ہوگیا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما سے تقبیل ابہامین کسی معتبر سند سے ثابت نہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اثر کی تو اسناد ہی مذکور نہیں ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اثر کی اسناد بھی کالعدم ہے، اس لیے وہ مجہول راویوں سے مرکب ہونے کے علاوہ منقطع یا معضل بھی ہے نیز وہ معلق بھی ہے۔

اخیر میں صرف اتنا اور گزارش کرنا ہے کہ معتبرات فقہ میں کلمات اذان کے جواب دینے، درود شریف پڑھنے اور دعائے وسیلہ مانگنے کا پورے تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ اسی طرح کتب صحاح وسنن ومسانید وتخریجات حدیث میں بھی مذکورہ بالا چیزیں بسط کے ساتھ موجود ہیں لیکن **اشهد ان محمدا رسول الله** کے وقت کوئی دعا پڑھنے اور تقبیل ابہامین کا کوئی نشان نہیں ہے۔ محدث ابن السنیؒ نے اپنی کتاب "عمل الیوم واللیلة" میں کئی باب اذان کے وقت دعاؤں اور کلمات اذان کے جواب اور درود شریف کے متعلق منعقد کیے ہیں، لیکن تقبیل ابہامین اوراس کے ساتھ کی دعا کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

هذا ما تیسر لی الآن بامداد الله سبحانه والله ارجوا ان یوفقنی لمرضاته وصلی الله علی خیر خلقه محمد واله واصحابه وبارك وسلم

کتبہ

ابوالمآثر حبیب الرحمٰن الاعظمی غفرلہ ولابویہ

صدر مدرس مدرسہ مفتاح العلوم مئو

سلسلہ: انگوٹھے چومنے کا مسئلہ، نمبر ۲

فاضل بریلوی کی مایۂ ناز تحقیق
مسئلہ تقبیل ابہامین

تحقیق انیق

شیخ الحدیث حضرت مولانا السید حامد میاں قدس سرہٗ

بانی جامعہ مدنیہ، کریم پارک، لاہور

خلیفۂ مجاز: شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد المدنی قدس سرہٗ

عنوانات

حافظ تنویر احمد شریفی

ناشر

تحفّظ نظریاتِ دیوبند اکادمی - پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاںؒ کا مختصر تعارف

نام: (مولانا) سید حامد میاں ابن مولانا سید محمد میاںؒ (صاحبِ علمائے ہند کا شان دار ماضی)

ولادت: ۶/ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ/ یکم دسمبر ۱۹۲۷ء، راؤی ضلع میرٹھ

تعلیم: حفظ قرآن حافظ نور محمدؒ اور حافظ محمد ابراہیمؒ سے، تجوید حضرت قاری عبداللہؒ سے، درس نظامی حضرت مولانا قاری اصغر علیؒ، مولانا اشفاقؒ، مولانا انصار الحقؒ، مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ، حضرت مولانا عبدالحق مدنیؒ، والد محترم حضرت مولانا سید محمد میاںؒ، مولانا عبدالخالق ملتانیؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، مولانا خلیل احمد کیرانویؒ، حضرت مولانا عبدالسمیعؒ، حضرت مولانا عبدالحقؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا سید فخر الحسنؒ، مولانا عبدالشکور عثمانیؒ اور حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سے۔

بیعت وخلافت: حضرت مدنیؒ سے ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ء میں دورۂ حدیث کے بعد بیعت ہوئے۔ اس وقت عمر مبارک اکیس سال تھی۔ ۲۴/ شوال المکرّم ۱۳۶۸ھ/ ۱۹/ اگست ۱۹۴۹ء کو حضرت مدنیؒ نے خلافت عطا فرمائی۔

خدمات: ۱۹۵۳ء میں پاکستان تشریف لائے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور میں مدرس رہے۔ اس کے بعد مدرسۂ احیاء العلوم قایم کیا۔ مسلم مسجد لوہاری گیٹ میں جامعۂ مدنیہ قایم کیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۳ء میں کریم پارک لاہور میں مدرسہ کی عمارت تعمیر کرائی۔ اب وہاں اور رائے ونڈ روڈ پر جامعہ مدنیہ جدید قایم ہے۔

تصانیف: ذکر جمیل، تسہیل الصرف، مدنی فارمولا، فاضل بریلوی کے فقہی مقام کی حقیقت، کنز الایمان پر نقد وتبصرہ۔

سیاسی فکر: حضرت مدنیؒ کی سیاسی فکر کے مقلّد تھے۔ ۱۹۸۵ء میں جمعیّت علمائے اسلام کے مرکزی امیر مقرر ہوئے۔

وفات: ۱۳/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ/ ۳/ مارچ ۱۹۸۸ء

فاضل بریلوی کی مایۂ ناز تحقیق، مسئلہ تقبیل ابہامین

اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان میں چومنے سے بھی زیادہ بدعت ہے:

"فقہی مقام (۱)" رسالے میں "تقبیل ابہامین" کا مسئلہ بھی اٹھایا گیا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتوے میں تحریر فرمایا ہے:

> "اول تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں، اور جو کچھ بعضے لوگوں نے اس بارے میں روایت کیا ہے وہ محقّقین کے نزدیک ثابت نہیں...... مگر اقامت میں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں۔ پس اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان کے وقت چومنے سے بھی زیادہ بدعت اور بے اصل ہے۔ اسی واسطے فقہا نے اس کا بالکل انکار کیا ہے۔" (امداد الفتاوی: ج۵ ص۲۵۹)

حضرت تھانویؒ کے فتوے پر فاضل بریلوی نے جو اعتراض کیے ان میں

(۱) "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" نامی رسالے کا جواب حضرت مولانا السید حامد میاںؒ نے "فاضل بریلوی کے فقہی مقام کی حقیقت" کے نام سے ایک رسالہ لکھ دیا، جس کا ایک باب یہ ہے۔ (نعمان)

سے منتخب کر کے فقہی مقام میں لکھے گئے ہیں۔ اس مسئلے میں ہم ان ہی کے پیش کردہ چیدہ نکات آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

(۱) اس باب میں کوئی صحیح مرفوع حدیث وارد نہیں۔

(۲) تقبیل ابہامین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

فاضل بریلوی کو اس کے ثبوت کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث مع سند مفصّل نقل کرنی چاہیے تھی۔ اگر وہ صحیح ثابت کر دیتے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ضرور رجوع فرما لیتے اور شامی سے بھی اختلاف نہ فرماتے۔ مسئلہ واضح ہو جانے پر فوراً رجوع کر لینا ان کی خاص عادت تھی، مگر اس کے برعکس فاضل بریلوی یہ بھی اعتراف کر رہے ہیں کہ حدیث صحیح موجود نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ لکھتے ہیں:

"صحیح حدیث کی نفی سے معتبر حدیث کی نفی سمجھ لینا (غلط ہے)، اور فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ بالاجماع کافی ہیں، اگرچہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں"۔

ان کی مکمّل عبارت آگے آ رہی ہے۔

فاضل بریلوی کی اصطلاحات حدیث سے بے خبری:

فاضل بریلوی نے اس مقام پر حضرت تھانویؒ کے علم حدیث سے واقفیت پر طعن کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"صحیح حدیث کی نفی سے معتبر حدیث کی نفی سمجھ لینا جیسا کہ تھانوی صاحب نے اس فتوے میں کہا ہے کہ تقبیل فی الاذان کسی معتبر

روایت سے ثابت نہیں ہے۔ فن حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔ کتب رجال میں جابجا مذکور ہے **یعتبر به و لا یحتج به** اور فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ بالاجماع کافی ہیں، اگرچہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں۔" (اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام: ص۳۴)

یہ عبارت فاضل بریلوی اور مقالہ نگار دونوں ہی کی اصطلاحات حدیث سے بے خبری اور ناواقفیت کی دلیل ہے۔ انہوں نے بڑی فاش غلطی کی ہے کہ **یعتبر به** کا ترجمہ یہ سمجھا ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی **یعتبر به** کو اردو میں معتبر اور غیر معتبر کے ہم معنی سمجھ رہے ہیں۔ حال آں کہ یہ علم حدیث کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ **یعتبر به** کا صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اصول حدیث میں ذکر کردہ "اعتبار" کے کام میں لائی جا سکتی ہے اور اسے بہ طور حجّت و دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ کہنا مقصود ہوتا کہ معتبر ہے تو عربی میں "بہ" کے لانے کی ضرورت نہ تھی، مگر اعلیٰ حضرت زور کلام میں بے سمجھے فرماتے چلے جا رہے ہیں:

"احادیث معتبرہ بالاجماع کافی ہیں"۔

فاضل بریلوی کی اصول حدیث سے ناواقفیت کی تشریح:

آپ اصول حدیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے "تقریب" میں اور اس کی شرح "تدریب الراوی" میں امام حافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصطلاح کو سمجھانے کے لیے مستقل عنوان قایم کیا ہے:

النوع الخامس عشر معرفته الاعتبار والمتابعات والشواهد هذه امور يتداولها اهل الحديث

(يتعرفون بها حال الحديث) ينظرون هل تفرد به راويه ام لا. وهل هو معروف اولا فالاعتبار ان ياتى الى حديث لبعض الرواة فيعتبره بروايات غيره من الرواة بسير طرق الحديث ليعرف هل شاركه فى ذالك الحديث راو غيره فرواه عن شيخه اولا؟ فان لم يكن فلينظرهل تابع احد شيخ شيخه فرواه عمن روى عنه؟ وهكذا الى اخر الاستاد وذالك المتابعة فان لم يكن فينظر هل اتى بمعناه حديث اخر وهو الشاهد. فان لم يكن فالحديث فرد فليس الاعتبار فيما للمتابع والشاهد بل هو هيئة التوصل اليهما فمثال الاعتبار ان يروى حماد بن سلمة (مثلاً حديثا لا يتابع عليه عن ايوب عن ابن سيرين عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم فينظر هل رواه ثقة غير ايوب عن ابن سيرين فان لم يوجد) ثقة غيره (فغير ابن سيرين عن ابى هريرة والا) اى وان لم يوجد ثقة عن ابى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم فاى ذالك وجد علم) به (ان له اصلا يرجع اليه والا) اى وان لم يوجد شىء من ذالك (فلا) اصل له. كالحديث الذى رواه الترمذى من طريق حماد بن سلمه عن ايوب عن ابن سيرين عن ابى هريرة اراه رفعه "احبب

حبيبك هونا ما" الحديث قال الترمذى غريب لا نعرفه بهذا الاسناد الا من هذا الوجه اى من وجه يثبت والا فقد رواه الحسن بن دينار عن ابن سيرين والحسن متروك. الحديث لا يصلح للمتابعات. (تدریب الراوی: ص۵۲-۱۵۱)

''پندرھویں نوع اعتبار اور متابعات اور شواہد کی پہچان کے بیان میں ہے۔ یہ وہ امور ہیں جنہیں محدثین استعمال کرتے ہیں، جن سے وہ حدیث کا حال پہچانتے ہیں۔ وہ یہ غور کرتے ہیں کہ کیا راوئ حدیث اس حدیث کو نقل کرنے میں اکیلا ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ وہ خود بھی معروف ہے یا نہیں؟ پس اعتبار کا طریقہ یہ ہے کہ کسی (ایک) راوی کی حدیث کو اس کے علاوہ دوسرے راویوں کی حدیثوں سے ملا کر دیکھنا (اس طرح کہ) اس حدیث کی دوسری سندوں کو (تلاش کر کے) گہری نظر ڈالی جائے تا کہ یہ پتا چل سکے کہ آیا اس حدیث میں اس راوی کا کوئی اور بھی ساتھی (استاد بھائی) ہے جس نے استاد سے وہ حدیث روایت کی ہو یا نہیں ہے؟ اگر نہ ہو تو یہ دیکھیں کہ کیا یہ روایت کسی نے اس کے استاذ الاستاذ سے کی ہے یا نہیں؟ اسی طرح اوپر تک (اس کے استادوں اور ان کے ساتھیوں کو ایک حدیث کے لیے دیکھتے چلے جائیں گے) اس کا نام اصول حدیث میں متابعت ہے۔ اگر اس حدیث میں کہیں بھی ساتھی راوی اوپر تک نہ مل سکیں تو پھر یہ تلاش کیا جائے کہ کیا اس حدیث کے مضمون کو کسی محدث نے دیا ہے یا نہیں؟ اگر ہم معنی حدیث مل جائے (چاہے الفاظ بدلے ہوئے ہوں) تو اس حدیث کو شاھد کہیں گے، اور اگر ہم معنی حدیث بھی نہ

ملے تو یہ حدیث فرد کہلائے گی۔ پس ''اعتبار'' متابع اور شاہد کا قسیم (ہر قسم) نہیں ہے بلکہ یہ متابع اور شاہد تک پہنچنے کے لیے جو کچھ کیا جاتا ہے اس کا نام ہے۔ پس اعتبار کی مثال یہ ہے کہ مثلاً حماد ابن سلمہؒ کوئی ایسی روایت بیان کر رہے ہوں کہ جس میں ان کا کوئی ساتھی عن ایوب عن ابن سیرین عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وہ روایت نہ نقل کر رہا ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ ان کے استاد ایوب کے سوا کوئی اور قابل اعتماد راوی ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث لے رہا ہے یا نہیں؟ اگر ایوبؒ کے ساتھیوں میں ان کے سوا کوئی ثقہ راوی نہ ملے تو پھر ان کے استاد ابن سیرینؒ کے ساتھیوں میں کوئی محدث تلاش کریں گے جو حضرت ابو ہریرہؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت نقل کر رہا ہو۔ ان میں سے جس طرح کبھی بھی حدیث پائی جا رہی ہو اس سے جان لیا جائے گا کہ اس حدیث کی اصلیت ہے، اس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ ورنہ اگر ان میں سے کوئی چیز نہ پائی جائے تو یہ حدیث بے اصل مانی جائے گی۔ جیسے ترمذی شریف کی روایت جو انہوں نے حماد بن سلمۃ عن ایوب عن ابن سیرین عن ابی ہریرۃ اراہ رفعہ کہہ کر نقل کی ہے کہ ''اپنے دوست سے ہلکی ہلکی محبت رکھو'' الحدیث۔ امام ترمذیؒ نے اس پر فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (یعنی صرف اسی سند سے یہ حدیث قابل اعتماد نہیں) ورنہ یوں تو یہی حدیث حسن ابن دینارؒ ابن سیرینؒ سے روایت کرتے ہیں، لیکن حسن متروک الحدیث ہیں، ان کی روایت متابعت کے قابل نہیں ہوتی''۔

اسی طرح مقدمہ ابن الصلاح میں ہے:

النوع الخامس عشر معرفته الاعتبار والمتابعات والشواهد (مقدمہ ابن الصلاح: ص ۷۴)

''پندرھویں نوع اعتبار اور متابعات اور شواہد کی پہچان کے بیان میں''۔

تدریب الراوی اور مقدمہ ابن الصلاح تو بہت مفصل کتابیں ہیں۔ بخاری شریف کے شروع میں جو مقدمہ ہے اس میں ہی صفحہ ا پر دیکھ لیں کہ ''اعتبار'' کسے کہتے ہیں۔

میں نے یہاں تدریب الراوی کی پوری عبارت لکھ دی ہے اور اس کا مفہوم بھی، تاکہ طلبا (اور عوام) مستفید ہوں اور علما فاضل بریلوی کی علم حدیث میں بصیرت کا تماشہ دیکھیں۔ فاضل بریلوی اصول حدیث سے اس درجے ناواقف تھے جیسا کہ آپ کے سامنے ہے، مگر آپ (صاحبِ ''اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام'') انہیں پھر بھی امام مجتہد فی المذہب بنانے کی فکر میں ہیں۔ اپنے دل میں ذرا غور کیجیے کہ ایسا کم علم شخص کیا مفتی بھی ہو سکتا ہے؟ چہ جائے کہ وہ مجتہد فی المذہب بنے اور اپنے قیاس سے نئے نئے مسائل نکالے؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ.

غرض حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اعلیٰ حضرت اور آپ حضرات کی طرف سے یہ جواب ہونا چاہیے تھا کہ حدیث شریف کی سند یہ ہے اور یہ سند قابل احتجاج ہے۔ کیوں کہ اذان ایسا شعار نہیں ہے جو سرِ عام نہ ہوتا ہو اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت ایسی نہیں ہے جس کا عمل سیکڑوں، ہزاروں صحابہ علیہم الرضوان اور تابعین رحمہم اللہ کے سامنے نہ ہوا ہو، اس لیے ان کے عمل کی روایت کرنے والے بہت لوگ ہونے چاہئیں اور آپ کو بہت سی روایتیں سامنے لانی چاہیے تھیں۔ نہ کہ صرف ایک حدیث جس کے بارے میں صدیوں

پہلے سے محدثین صرف موضوع (من گھڑت) ہونے نہ ہونے ہی کی بحث کرتے رہے ہوں۔

ہمارے پاس مسند ابی بکر صدیق ؓ ہے، جس میں آپ کی ساری روایات جمع کی گئی ہیں۔ ان میں اذان کے وقت یہ کلمات کہنے اور انگوٹھا چومنے کی روایت ہی نہیں ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں حافظ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "**ولا یصح**" یعنی یہ موضوع (کسی کی من گھڑت) ہے۔ (الموضوعات الکبری لملا علی قاری: ص ۱۰۸)

کیوں کہ موضوع حدیثوں کے بیان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں **لا یصح، لا یثبت یالم یصح یالم یثبت** وغیرہ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ موضوع ہے، لہٰذا یہاں **لا یصح** کے معنی یہ ہوں گے کہ ثابت ہی نہیں (کسی کی من گھڑت ہے)، موضوع ہے نہ کہ ضعیف۔ دیکھیے مقدمہ "**المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع**". جو حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ (ص ۱۰، مطبوعہ حلب)

اس کے بعد ملا علی قاری ؒ لکھتے ہیں:

واورده الشيخ احمد الرداد فی كتابه موجبات الرحبة بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام.

"یہ روایت شیخ احمد رداد نے اپنی کتاب موجبات الرحبہ میں حضرت خضر علیہ السلام سے ایسی سند سے دی ہے کہ جس میں مجہول راوی ہیں اور سند بھی منقطع ہے"۔

پھر حضرت ملا علی قاری ؒ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روایت پر عمل کو جائز لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہ اس پر عمل کرے اور نہ اس پر عمل کرنے والے کو منع کیا جائے۔ پھر لکھتے ہیں:

غرابته لا تخفى على ذوى النهى

(الموضوعات الکبری: ص ۱۰۸)

"اس روایت کی غرابت سمجھ دار آدمی پر مخفی نہیں ہے"۔

یعنی چاہے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردہ روایت ہی ہو وہ بھی غریب ہے، کیوں کہ صحیح ترین احادیث مقدسہ میں مثلاً بخاری شریف وغیرہ میں یہ مسئلہ وضاحت سے آتا ہے کہ جب مؤذن **اشهد ان محمدا رسول الله** کہے تو سننے والے بھی جواب میں **اشهد ان محمدا رسول الله** کہیں۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا حدیث کی مشہور کتابوں میں کہیں نہیں آیا ہے۔ اگر امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام طحاوی اور ائمہ کرام یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم سے یہ حدیث مخفی رہ گئی ہے تو آپ اسے ظاہر فرمائیں۔ علم حدیث کسی کے گھر کا نہیں ہے۔ حضرت تھانوی ؒ کے سامنے جب دلیلیں آتیں تو وہ کہاں جاتے؟

اور چلیے! اب روایت اور راوی حضرات کے بارے میں آپ ہی لکھیں تاکہ اس میں اختلاف ختم ہو۔ صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہو سکتی ہے کہ انکار کرے؟ بلکہ انگوٹھے نہ چومے۔ مگر فاضل بریلوی اجتہادی رنگ میں قیاس پر قیاس کرتے چلے گئے اور انہوں نے تکبیر میں بھی انگوٹھے چومنے جائز قرار دیے، چاہیے تو یہ تھا کہ پہلے حدیث کے ثبوت کی کوشش تو کی ہوتی۔

آنکھوں کے بارے میں ایک حدیث:

دیکھیے! ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا صحابی کو بینائی درست ہونے کے لیے دعا تعلیم فرمائی اور طریقہ یہ بتلایا کہ دو رکعت نماز پڑھ کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعا مانگیں اور یہ کلمات تعلیم فرمائے:

اللّٰھم انی اتوسل الیك بمحمد نبی الرحمة یا محمد انی قد توجھت بك الی ربی فی حاجتی اللھم فشفعه فیّ.

"اے اللہ میں تیرے دربار میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے جو نبی رحمت ہیں (دعا کرتا ہوں)۔ اے محمد! میں اپنے پروردگار کی طرف آپ کے ذریعے اور وسیلے سے اپنی حاجت روائی کے لیے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے اللہ! تو ان کو میرے حق میں مقبول الشفاعت فرما"۔

ان نابینا صحابی نے اس پر عمل کیا، ان کی بینائی لوٹ آئی۔

یہ حدیث متعدد معتبر کتب حدیث میں آئی ہے اور سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔ امام ابن ماجہؒ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

کہنا یہ ہے کہ اس حدیث پر علمائے دیوبند کا عمل ہے۔ کیوں کہ حدیث ثابت ہے۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ بعد میں ان صحابی نے کسی اور ضرورت مند کو یہ دعا رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد تعلیم فرمائی۔ لہٰذا علمائے دیوبند کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ یہ بدعت ہے۔ جب کہ

"تقبیل ابہامین" کی روایت کا حال جو کتابوں میں موجود ہے وہ ہم نے لکھا۔ اب آپ اس کی صحیح سند لائیں تا کہ مذکورہ بالا حدیث توسل کی طرح سب اس کے قایل ہو جائیں اور عمل کریں۔

محدثین وفقہا کا ضعیف حدیث سے استدلال کا قاعدہ:

آپ حضرات فاضل بریلوی سے لے کر اب تک یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل ہو سکتا ہے اور اسی قاعدے پر آپ کے دس گیارہ اختلافی مسائل کی بنیاد ہے۔ گویا بریلویت کی عمارت اسی پر اٹھائی گئی ہے، لہٰذا اس کا صحیح قاعدہ بھی یہاں ذکر کرنا ضروری اور مفید معلوم ہوتا ہے، تاکہ واضح ہو سکے کہ بریلوی علما اس کے استعمال کو عام کر کے بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ علامہ جلال الدین السیوطیؒ فرماتے ہیں۔ (ان کی عبارت اور ساتھ تقریبی ترجمہ لکھا جاتا ہے):

ویجوز عند اهل الحدیث وغیرهم التساهل فی الاسانید الضعیفه (وروایة ما سوی الموضوعات من الضعیف والعمل به من غیر بیان ضعفه فی غیر صفات الله تعالی) وما یجوز ویستحیل علیه تفسیر کلامه او الاحکام کالحلال والحرام وغیرهما وذالك کالقصص وفضائل الاعمال والمواعظ وغیرهما مما لا تعلق له بالعقاید والاحکام) وممن نقل عنه ذالك ابن حنبل وابن مهدی وابن المبارك قالوا اذا روینا فی الحلال

والحرام شددنا واذا روينا فى الفضائل ونحوها تساهلنا.

''محدثین وغیرہم کے نزدیک ضعیف السند روایتوں میں سہولت دینا جائز ہے اور موضوع (گھڑی ہوئی) روایتوں کے علاوہ ضعیف روایتوں کو بیان کرنا اور ان کے ضعیف ہونے کی تصریح نہ کرنا (بھی جائز ہے)، (بہ شرطے کہ) یہ ایسی روایتیں ہوں کہ جن میں حق تعالیٰ کی صفات کا ذکر نہ ہو۔ اور یہ (نہ ہو) کہ یہ بات تو حق تعالیٰ کے بارے میں خیال کرنا درست ہے اور یہ بات محال ہے اور تفسیر کلام پاک اور احکام جیسے حلال وحرام وغیرہما کا اس سے تعلّق نہ ہو۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ روایت میں مثلاً قصّے اور فضائل اعمال اور وعظ وغیرہ ایسی چیزوں کا ذکر ہو کہ جن کا تعلّق عقائد اور احکام سے نہ ہو۔ جن حضرات سے یہ قاعدہ منقول ہے ان میں امام احمد ابن حنبلؒ، ابن مہدیؒ، ابن مبارکؒ ہیں۔ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ جب ہم کوئی روایت حلال وحرام کے بارے میں (پڑھاتے ہیں یا لکھتے ہیں) تو اس میں ہم سختی کرتے ہیں اور جب فضائل اعمال جیسی چیزیں بیان کرتے ہیں تو اس میں نرمی کرتے ہیں''۔

تنبیہ:

وذكر شيخ الاسلام له ثلاثة شروط احدها ان يكون الضعف غير شديد فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه نقل العلائى الاتفاق عليه الثانى ان يندرج تحت

اصل معمول به الثالث ان لا يعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط وقال هذان ذكرهما ابن عبدالسلام وابن دقيق العيد. (تدریب الراوی: ص۱۹۶)

''اور شیخ الاسلام نے ضعیف حدیث کو بیان کرنے کی تین شرطیں ذکر کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو۔ لہٰذا جھوٹے راویوں میں سے اور ایسا راوی جس پر جھوٹے ہونے کا الزام ہو اور ایسا محدث جو فحش غلطیاں کرتا ہو جب اکیلا روایت کرے گا تو اس قسم کے سب راویوں کی روایت (اس شرط کے تحت) خارج ہو جائے گی۔ حافظ علائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرط پر سب کا اتفاق نقل کیا ہے۔ ضعیف کو قبول کرنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی معمول بہ حدیث اور قاعدے کے تحت آتی ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے، بلکہ احتیاطاً (مثلاً گناہ سے بچنے کے لیے) اس پر عمل کرے۔ شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ یہ دو شرطیں ابن عبدالسلام اور ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہما نے بیان کی ہیں''۔

مثلاً حنفی مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں اتنی زور سے ہنسے کہ آس پاس کے لوگ ہنسی کی آواز سن لیں تو اس کی نماز بھی ٹوٹ جائے گی اور وضو بھی! (اب اس وضو سے نماز نہیں ہوگی)، کیوں کہ یہ مسئلہ حدیث مرسل صحیح میں آیا ہے، اور باقی ضعیف روایات تو آٹھ دس ہیں، لیکن شافعی حضرات کہتے ہیں کہ وضو نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ یہ مسئلہ کسی ایسی حدیث میں نہیں آیا ہے جو مرفوع بھی ہو اور صحیح

بھی ہو۔

ایسی صورت میں جو شافعی حضرات مذکورہ قاعدے پر تقوے کی وجہ سے عمل کرنا چاہیں گے وہ کہیں گے کہ دوبارہ وضو کرلینا ہی بہتر ہے۔

یہی قاعدہ حدیث کے علاوہ اقوال ائمہؒ میں بھی جاری ہے۔ مثلاً مس مرأة (عورت) سے، مس ذکر سے، مامستہ النار سے، نکسیر سے اور کہیں سے بھی خون نکل کر بہہ جانے سے اور بڑی قے سے وضو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب اپنے اپنے امام کے علاوہ دوسرے امام کے قول پر جو ان کے نزدیک اپنے امام کے قول سے لامحالہ ضعیف ہوگا، احتیاطاً عمل کریں۔ (یہ مسئلہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی سب حضرات کے نزدیک مسلم ہے)۔

شافعی حضرات کے نزدیک خون کے نکلنے سے وضو نہیں جاتا اور یہی قول ان کے نزدیک قوی ہے، مگر شافعی مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے ائمہ کے قول پر احتیاطاً عمل کر کے وضو کرے۔ ایسا کرنا اس کے لیے مستحب ہے۔

مس مرأة یعنی عورت کو ہاتھ لگ جانے سے چاہے وہ کوئی بھی ہو شافعی حضرات کے نزدیک مرد کا وضو جاتا رہتا ہے۔ حنفی حکیم اگر عورت کی نبض دیکھے تو اس کے لیے دوبارہ وضو کرنا مستحب ہے۔ حنفی حکیم کے نزدیک حنفی قول قوی ہے اور شافعی مسلک ضعیف ہے، مگر احتیاطاً وضو کرے تو یہ اچھی پسندیدہ بات (مستحب) ہے۔

فاضل بریلوی کی مبالغہ آرائی اور فریب دہی:

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

”تھانوی صاحب نے سلب کلی کردیا کہ اذان میں تقبیل کسی معتبر

روایت سے ثابت نہیں۔ حال آں کہ ایک ہزار سے زیادہ کتب فقہ میں یہ روایت موجود ہے“۔ (اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام: ص ۳۵)

گزارش یہ ہے کہ فاضل بریلوی کی عادت تھی کہ وہ پر جوش کلمات لکھتے تھے، اسی طرح انہوں نے یہاں بھی لکھ دیا ہے۔ کئی سو سال سے قدوری، کنز الدقائق، شرح وقایہ اور ہدایہ کی ہر چہار جلد فقہ حنفی میں تمام مدارس میں دیوبندی ہوں یا بریلوی پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ ان میں تو یہ مسئلہ کہ اذان میں انگوٹھے چومے، کہیں نہیں ہے۔ معلوم نہیں وہ ہزار سے زیادہ کتب فقہ کون سی ہیں؟ ان میں سے آپ ہزار نہیں صرف ایک سو فقہ کی ایسی معتبر کتابوں کا حوالہ لکھ دیں جو متقدمین کی لکھی ہوئی ہوں۔ انگریزی اختلافی دور سے پہلے کی ہوں۔ ورنہ ایسی مبالغہ آرائیوں کے فریب میں آنا چھوڑ دیں اور خود بھی فریب دہی سے تائب ہوں، لیکن بریلوی عالموں نے کسی قاعدے کو نہیں مانا، اپنی خواہش کو سب سے بڑا قاعدہ سمجھا۔ انہوں نے یہ ظلم کیا کہ

(۱) ایسی روایات کو جن کے ضعیف ہونے میں بھی کلام ہے ان کے بارے میں محدثین کے ایک بڑے طبقے کی یہ رائے رہی ہے کہ یہ ضعیف نہیں بلکہ موضوع (بے اصل، کسی کی گھڑی ہوئی) روایت ہے۔ بڑھا کر حدیث ضعیف کا درجہ دے دیا۔

(۲) پھر اس پر عملاً اتنا تشدد کیا گیا کہ لوگ اسے ہی دین سمجھنے لگے اور عقیدے کا جز (حصّہ) بنالیا۔

(۳) اس پر عمل نہ کرنے والوں کی اس قدر مذمت کی کہ انہیں اسلام ہی سے نکال دیا اور (معاذ اللہ) گستاخ رسول کہنا شروع کردیا اور امت میں تفریق

کا بیج بو دیا۔

اب آپ ہی خدا کے حضور پیش ہونے کا خیال کر کے غور کریں کہ آپ دوسروں کو جس وجہ سے حقیر نظروں سے دیکھتے ہیں، برے برے ناموں سے یاد کرتے ہیں، انہیں کافر سمجھتے ہیں، اس کی جڑ بنیاد ہے ہی کیا؟ صرف ایسی ہی کم زور ترین یا موضوع حدیثیں یا پھر احمد رضا خان صاحب کا قیاس واجتہاد؟

ایسی کم زور دلیل وقیاس پر اتنا بھروسا کرنا کہ اسے دین سمجھنے لگیں، کیسی بڑی غلطی ہے۔

فاضل بریلوی کے قاعدے سے حضرت تھانویؒ کے موقف کی تائید:

انگوٹھے چومنے کی اس بحث میں آپ نے فاضل بریلوی کے چیدہ نکات میں شامل کر کے ان کا پیش کردہ قاعدہ لکھا ہے:

لا یلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهته اذ لابد لها من دليل خاص.

''ترک مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی، کیوں کہ اس کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہوتی ہے۔''

(فقہی مقام: ص۶-۳۵ بہ حوالہ بحرالرائق: ج۲، ص۱۷۶)

اس قاعدے سے آپ کو کیا فائدہ پہنچا؟ آپ کا دعوی تو یہ ہے کہ اذان میں نام اقدس سن کر انگوٹھا چومنا مستحب ہے اور اس قاعدے سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جو انگوٹھے نہ چومے، اس نے ترک مستحب کیا اور انگوٹھے نہ چومنے کو مکروہ کہنے کے لیے الگ خاص دلیل ہونی چاہیے۔ اس سے تو فاضل بریلوی نے

حضرت تھانویؒ کے موقف کو تقویت دی ہے اور انگوٹھے نہ چومنے کو کراہت سے بھی نکال دیا ہے۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ فاضل بریلوی بہ کثرت فقہی قاعدوں کا بے محل استعمال کرتے ہیں۔ یہ بات ان کی تحریرات اور فتاوے سے ظاہر ہے۔

کم از کم اب بعد میں لکھنے والے صاحب کو تو سوچنا ہی چاہیے تھا کہ کیا لکھا جا رہا ہے؟ آپ فاضل بریلوی کی بات ثابت کرنے کے لیے مضمون لکھ رہے ہیں یا حضرت تھانویؒ کی بات ثابت کرنے کے لیے؟

سلسلہ: انگوٹھے چومنے کا مسئلہ، نمبر۳

انگوٹھے چومنے والی روایات کا تحقیقی جائزہ

محقق
امام اہل سنت شیخ الحدیث
حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر قدس سرہٗ
صاحبِ تصانیف کثیرہ

بعض عنوانات
نعمان محمد امین

ناشر
تحفظ نظریاتِ دیوبند اکادمی - پاکستان

امام اہل سنت، شیخ الحدیث

حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر قدس سرہٗ

کا مختصر تعارف

نام: مولانا محمد سرفراز خان ابن نور احمد خان ابن گل احمد خان۔ ابوالزاہد کنیت، قوم سواتی۔

پیدائش: ۱۳۳۲/۱۹۱۴ء ڈھکی چیڑاں داخلی، ضلع ہزارہ۔

تعلیم: حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ، مولانا عبدالقدیر کیمل پوریؒ، حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ، حضرت غلام غوث ہزارویؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مفتی محمد شفیعؒ۔

بیعت وارادت وخلافت: حضرت مولانا حسین علیؒ تلمیذ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

تدریس: مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، جامع مسجد گکھڑ

تصانیف: رد بدعات اور دیگر باطل فرقوں کے رد میں دو درجن سے زاید کتابوں کے مصنّف، جو علمائے دیوبند کے لیے مشعل راہ ہیں۔

سیاسی مسلک: جمعیّت علمائے اسلام پاکستان کے سرگرم راہ نما تھے۔

وفات: ۹/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ/۵/مئی ۲۰۰۹ء

(تفصیلی حالات کے لیے ''ماہ نامہ الشریعہ۔گوجرانوالہ'' کا مولانا سرفراز خان نمبر کا مطالعہ فرمائیے)

انگوٹھے چومنے والی روایات کا تحقیقی جایزہ

حضور علیہ السلام کے اقوال وافعال پوشیدہ نہیں:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو پردۂ خفا (پوشیدہ) اور امت کی نگاہوں سے اوجھل رہا ہو۔ آپ کی ایک ایک ادا، ایک ایک فعل اور نشست وبرخاست، غرضے کہ کوئی بھی آپ کا قول وفعل پوشیدہ نہیں۔

اذان جیسی عبادت جو دن میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی تھی اور ہجرت کے بعد تقریباً دس سال مدینۂ طیّبہ میں آپ کے سامنے ہوتی رہی، اور اذان کے کلمات نیز اذان دینے والوں کے نام اور اذان کی جملہ کیفیات احادیث کے ذخیرے میں موجود ہیں، مگر کسی بھی صحیح روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ اذان سنتے وقت انگوٹھے چومنے چاہئیں۔

اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام گرامی ''محمد'' سے ہی محبّت ہے (اور ہر مسلمان کو ہونی بھی چاہیے، یہ محبّت ایمان کی علامت ہے) تو اذان دینے والے کے منہ کو چومنا چاہیے تھا، جس کے مبارک ہونٹوں اور زبان سے یہ مبارک نام نکلا ہے۔ اپنے انگوٹھے تو ہر وقت ساتھ ہی رہتے ہیں، نہ تو ان سے آپ کا اسم گرامی نکلتا ہے اور نہ ان پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جب اس فعل کا صحیح احادیث سے ثبوت ہی نہیں (اور اذان جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور خیر القرون میں ہوتی رہی ہے) تو پھر آج اس انگوٹھے چومنے کو محبّت رسول اور کیسے

دین کہا جاسکتا ہے؟ اور کس طرح اس کو دین کی نشانی بنانا درست ہے؟ اور نہ کرنے والوں کو کیوں کر ملامت کرنا جایز ہوسکتا ہے؟ جب کہ احادیث کی بے شمار کتابیں ہیں اور ان میں باقاعدہ ایک باب "باب الأذان" موجود ہے، ان میں کوئی بھی ایک صحیح حدیث موجود نہیں جو کہ اذان کے وقت "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پر انگوٹھے چومنے پر دلالت کرتی ہو۔

اذان کے وقت حضور علیہ السلام کی تعلیم:

حدیث میں آتا ہے:

۱:...... عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَايَقُوْلُ (مشکوۃ: ج۱ص۶۴)

"حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہتا ہے"۔

دوسری حدیث میں واضح طور پر جواب کا طریقہ بتلایا ہے:

۲:...... عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، فَقَالَ اَحَدُكُمُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ، ثُمَّ قَالَ: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، ثُمَّ قَالَ: اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ

قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، قَالَ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، ثُمَّ قَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ
(مشکوۃ: ج۱ص۶۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مؤذن جس طرح کہے اسی طرح جواب دو، صرف حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ پر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر بھی جواب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہنا ہے، نا کہ صرف "صلی اللہ علیہ وسلم" اور نہ انگوٹھا چومنا۔ جو لوگ اس طرح کرتے ہیں یعنی "صلی اللہ علیہ وسلم" اور انگوٹھے چومتے ہیں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر، وہ حدیث شریف کی مخالفت کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو انگوٹھے چومتے ہیں وہ صرف انگوٹھے ہی کو چومتے ہیں، اگر ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کو چومتے نا کہ صرف انگوٹھے کو!

۳:...... "صبح کی اذان میں اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کے الفاظ کہو"۔
(کتاب الاذکار للنووی: ص۳۷)

۴:...... "اقامت (تکبیر) میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کے جواب میں اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا کے الفاظ کہے جائیں"۔
(سنن ابی داود: ج۱ص۷۸)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بریلویوں کی ایجاد انگوٹھا چومنا ہے، اور یہ دین کا حصہ بنایا گیا ہے۔ جس کا ثبوت نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ہے اور نہ ہی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے، نہ تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے اور نہ محدثین وفقہاء رحمہم اللہ سے!

جب شریعت میں اس کا ثبوت ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ دین میں یہ ایجاد ہے اور حضور علیہ السلام پر بداعتمادی کا اظہار بھی ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! وہ دین صحیح نہیں لائے تھے، یہ بریلوی (جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اعمال بد پر دوزخ کے ٹھکانے کی خوش خبری سنائی ہے) اس کو پورا کر رہے ہیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے جو وعیدیں بیان فرمائیں وہ بھی پڑھ کر ایمان پختہ کرلیجیے۔

دین میں ایجادات مردود ہیں:

۱:عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (صحیح بخاری: ج۱ص۳۷۱۔ مسلم: ج۲، ص۷۷)

"ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے اس دین میں نئی بات نکالی جو دین میں نہیں تو وہ بات مردود ہے"۔

بہترین بات وسیرت، اور بدترین گم راہی:

۲:عَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرُ الْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسلم: ج۱ص۲۸۴)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امابعد! بہترین بات اللہ کی کتاب ہے، اور بہترین سیرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اور بدترین باتیں وہ نئی نئی نکالی ہوئی ہیں دین میں اور ہر بدعت گم راہی ہوتی ہے"۔

بریلوی اپنا ٹھکانا جان لیں:

۳:عَنْ مُغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ وَعَلِيٍّ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَاَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُم قَالُوْا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَىَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ اَوْ مَنْ يَّكْذِبْ عَلَىَّ يَلِجِ النَّارَ (صحیح بخاری: ج۱ص۲۱۔ صحیح مسلم: ج۱ص۷)

"حضرت مغیرہ ابن شعبہ، حضرت علی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جوشخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا پس وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تیار کرے، یا یہ فرمایا کہ جو مجھ پر جھوٹ بولے گا وہ دوزخ میں داخل ہوگا"۔

انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں وہ اصولی طور پر دو ہیں۔

روایت نمبرا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے جب مؤذن کا یہ قول سنا کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو اس وقت انہوں نے:

قَبلَ بَاطِنَ الْاَنْمِلَتَيْنِ السَّبَاحَتَيْنِ وَمَسَحَ عَيْنَيْهِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيْلِیْ فَقَدْ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِیْ

"اپنے کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی"۔

یہ روایت مسند فردوس دیلمیؒ کے حوالے سے تذکرۃ الموضوعات: ص ۳۶ اور الموضوعات الکبیر: ص ۷۵ میں نقل کی گئی ہے۔ مفتی احمد یار خان صاحب نے مقاصد حسنہ کے حوالے سے جاء الحق: ص ۳۷۸ میں نقل کی ہے، ترجمہ بھی مفتی صاحب ہی کا ہے اور یہ روایت مولوی محمد عمر صاحب نے مقیاس حنفیت: ص ۶۰۳ میں بھی نقل کی ہے۔

روایت نمبرا کا جواب: علامہ محمد طاہر حنفیؒ لکھتے ہیں:

وَلَا يَصِحُّ (تذکرۃ الموضوعات: ص ۳۶)

کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

ملا علی قاریؒ، علامہ سخاویؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

لَا يَصِحُّ (موضوعات کبیر: ص ۷۵)

کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

جب سرے سے یہ روایت ہی صحیح نہیں تو اس پر عمل کرنے کی کیسے گنجائش

ہے؟ اور خود مفتی احمد یار خان صاحب نے امام سخاویؒ سے **وَلَمْ يَصِحُّ** نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"یہ حدیث پایۂ صحت تک نہ پہنچی"۔ (جاء الحق: ص ۳۷۸)

مولوی محمد عمر صاحب کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے تذکرۃ الموضوعات اور الموضوعات الکبیر سے حوالے تو نقل کیے ہیں لیکن لَا يَصِحُّ کا جملہ شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں۔ تف ہے اس علمی خیانت اور بددیانتی پر!

مفتی احمد یار خان کی اُپج:

مفتی صاحب لکھتے ہیں:

"صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں، کیوں کہ صحیح کے بعد درجۂ حسن باقی ہے، لہٰذا اگر یہ حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے"۔ (جاء الحق: ص ۳۸۲)

مگر مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی محدث جب مطلق **لَا يَصِحُّ** کہتا ہے تو اس کا مطلب اس کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ اگر حدیث حسن ہوتی ہے تو اس کی تصریح کرتے ہیں، یہ حدیث حسن ہے یا لَيْسَ بِصَحِيْحٍ بَلْ حَسَنٌ وغیرہ سے اس کو تعبیر کرتے ہیں۔ مطلق **لَا يَصِحُّ** سے حَسَنٌ سمجھنا قلّت فہم کا نتیجہ ہے۔

ایک وہم اور اس کا ازالہ:

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جب اس حدیث کا رفع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک صحیح ہو گیا تو عمل کے لیے یہی کافی ہے، کیوں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم پر میری اور میرے خلفائے راشدینؓ کی

سنت لازم ہے۔ (موضوعات کبیر: ص ۷۵)

اور یہی دلیل مفتی احمد یار خان صاحب نے جاء الحق (ص ۳۸۲) میں اور مولوی محمد عمر صاحب نے مقیاس حنفیت (ص ۶۰۲) میں پیش کی ہے، لیکن یہ حضرت ملا علی قاریؒ کا وہم ہے، اس لیے کہ اگر واقعی یہ روایت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تک موقوف بھی صحیح ہوتی تب بھی حجت تھی، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جو روایت منقول ہے وہ مرفوع ہے اور اس کی سند سرے سے صحیح ہی نہیں ہے نہ یہ کہ مرفوع صحیح نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ مرفوع صحیح نہیں ہے موقوف صحیح ہے اور عمل کے لیے کافی ہے، کیسے صحیح ہوا؟ باقی جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ لَا یَصِحُّ رَفْعُهٗ یا لَا یَصِحُّ فِی الْمَرْفُوْعِ تو وہ ابن صالح وغیرہ بعض شیوخ کی موقوف روایات کے پیش نظر ہے۔ وہ اگر بالفرض صحیح بھی ہوں تب بھی موقوف ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہیں، جب کہ خصوصاً ابن صالح وغیرہ صحابی بھی نہیں ہیں۔ ملا علی قاریؒ کا وہم کوئی نئی چیز نہیں۔

امام عبداللہ ابن المبارکؒ نے خوب کہا ہے:

وَمَنْ ذَا سَلِمَ مِنَ الْوَهْمِ (لسان المیزان: ج۱، ص ۱۷)

''وہم سے کون بچ سکتا ہے؟''

اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تحقیق:

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، پھر بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔ (جاء الحق: ص ۳۸۳)

جواب: یہ بھی مفتی صاحب کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ یہ کہہ دینا کہ فضائل اعمال میں ہر قسم کی حدیث غیر مشروط طور پر حجت ہوتی ہے، قطعاً غلط ہے۔ حضرت امام قاضی ابن العربی المالکیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) وغیرہ تو ضعیف حدیث کے متعلق فرماتے ہیں

لَا یُعْمَلُ بِهٖ مُطْلَقًا (القول البدیع: ص ۱۹۵)

''مطلقاً اس پر عمل صحیح نہیں ہے''۔

اور جو عمل کرتے ہیں وہ شرطیں لگاتے ہیں۔ چناں چہ امام ابن دقیق العیدؒ (المتوفی ۷۰۲ھ) لکھتے ہیں:

اَلْعَمَلُ بِالْحَدِیْثِ الضَّعِیْفِ مُقَیَّدٌ بِشُرُوْطٍ (امام: ج۲، ص ۱۷۱)

''ضعیف حدیث پر عمل کرنا چند شرطوں سے مقید ہے''۔

وہ شرطیں کیا ہیں؟ امام سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) اپنے شیخ حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اِنَّ شَرَائِطَ الْعَمَلِ بِالضَّعِیْفِ ثَلَاثَةٌ

اَلْاَوَّلُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَاَنْ یَّکُوْنَ الضَّعِیْفُ غَیْرَ شَدِیْدٍ فَیَخْرُجُ مِنْ اِنْفِرَادٍ مِنَ الْکَذَّابِیْنَ وَالْمُتَّهَمِیْنَ بِالْکِذْبِ وَمِنْ فُحْشِ غَلَطِهٖ

اَلثَّانِیْ اَنْ یَّکُوْنَ مُنْدَرِجًا تَحْتَ اَصْلٍ عَامٍ فَیَخْرُجُ مَا یُخْتَرَعُ بِحَیْثُ لَا یَکُوْنَ لَهٗ اَصْلٌ اَصْلًا

اَلثَّالِثُ اَنْ لَّا یَعْتَقِدَ عِنْدَ الْعَمَلِ بِهٖ ثُبُوْتَهٗ لِئَلَّا یُنْسَبَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ یَقُلْهُ. (القول

البدیع: ص ۱۹۵)

''ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں:

اول: جو تمام حضرات محدثین میں متفق علیہ ہے کہ حدیث زیادہ ضعیف نہ ہو، لہٰذا جس حدیث میں کوئی کذاب (نہایت جھوٹا) یا متہم بالکذب (ہر بات میں جھوٹ بولنے والا) یا ایسا راوی منفرد ہو جو زیادہ غلطی کا شکار ہوا ہو تو اس کی ضعیف حدیث معمول بہ نہ ہوگی۔

دوم: یہ کہ وہ عام قاعدے کے تحت درج ہو، اس سے وہ خارج ہوگئی، جس کی کوئی اصل نہ ہو اور محض اختراع (اپنی طبیعت سے نئی بات پیدا کرنے والا) کی گئی ہو۔

سوم: عمل کرتے وقت یہ اعتقاد نہ کرلیا جائے کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، تاکہ آپ کی طرف ایسی بات منسوب نہ ہوجائے جو آپ نے نہیں فرمائی''۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ شرطیں مفقود (موجود نہ) ہوں تو روایت ہرگز قابل عمل نہ ہوگی۔

آخری شرط تو خاص طور پر قابل لحاظ ہے، کیوں کہ جو چیز وثوق کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس کو ثابت ماننا سنگین جرم ہے اور یہ درجۂ اول کی متواتر حدیث مَنْ کَذَبَ عَلَيَّ (الحدیث) کے بہ ظاہر خلاف ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ لکھتے ہیں:

وَاَمَّا الْعَمَلُ بِالضَّعِيْفِ فِيْ فَضَائِلِ الْاَعْمَالِ فَدَعْوَى الْاِتِّفَاقِ فِيْهِ بَاطِلَةٌ نَعَمْ هُوَ مَذْهَبُ الْجُمْهُوْرِ لٰكِنَّهُ

مَشْرُوْطٌ بِاَنْ لَّا يَكُوْنَ الْحَدِيْثُ ضَعِيْفًا شَدِيْدَ الضُّعْفِ فَاِنْ كَانَ كَذٰلِكَ لَمْ يَقْبَلْ فِي الْفَضَائِلِ اَيْضًا. (الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ: ص ۳۱۰)

''فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بالاتفاق عمل کا دعویٰ کرنا باطل ہے، ہاں جمہور کا یہ مذہب ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو، ورنہ فضائل اعمال میں بھی قابل قبول نہیں ہے''۔

احمد رضا خان کا بے ثبوت احادیث کے متعلق ارشاد:

افسوس ہے کہ مبتدعین (دین میں نئی بات ایجاد کرنے والے) حضرات ایسی حدیثوں کے اثبات کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ فوا اسفا! خان صاحب بریلوی نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

''حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لیے ثبوت چاہیے، بے ثبوت نسبت جائز نہیں''۔

(بلفظہٖ عرفان شریعت: حصّہ سوم، ص ۲۷)

فضائل اعمال کی حدیث موضوع (من گھڑت) بھی نہ ہو، یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگرچہ سابقہ شرطوں کے ساتھ فضائل اعمال میں عمل کرنا جائز اور مستحب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ موضوع نہ ہو۔ اگر روایت موضوع ہوگی تو ہرگز قابل عمل نہ ہوگی۔ حافظ ابن دقیق العیدؒ لکھتے ہیں:

وَاِنْ كَانَ ضَعِيْفًا لَا يَدْخُلُ فِيْ حَيِّزِ الْمَوْضُوْعِ فَاِنْ اَحْدَثَ شِعَارًا فِي الدِّيْنِ مُنِعَ مِنْهُ وَاِنْ لَّمْ يُحْدِثْ فَهُوَ مَحَلُّ نَظَرٍ. (احکام الاحکام: ج ۱، ص ۵۱)

''اگر ضعیف حدیث ہو بہ شرطے کہ وہ موضوع نہ ہو، تو اس پر عمل جائز

ہے، لیکن اگر اس سے دین کے اندر کوئی شعار قایم اور پیدا ہوتا ہو تو اس سے بھی منع کیا جائے گا، ورنہ اس پر غور کیا جائے گا“۔

لیجیے! یہاں ایک اور بات بھی حل ہوگئی، وہ یہ کہ ضعیف حدیث اس وقت قابل عمل ہوگی جب کہ موضوع اور جعلی نہ ہو، اور ساتھ ہی وہ دین کا شعار اور علامت نہ ٹھہرالی گئی ہو۔ اگر دین کی علامت یا شعار کا خطرہ ہو تو اس سے بھی منع کیا جائے گا اور اہل بدعت حضرات خیر سے ان چیزوں کو سنت اور حنفیت کا معیار قرار دیتے ہیں اور ان بدعات کو نہ کرنے والوں کو گستاخ اور وہابی کہتے ہیں، اور ان کے خلاف ”مقیاس حنفیت“ جیسی کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں بھلا یہ ضعیف روایتیں کیوں کر حجت ہو سکتی ہیں؟

حضرت علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں:

يَجُوزُ وَيُسْتَحَبُّ الْعَمَلُ فِي الْفَضَائِلِ وَالتَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ مَا لَمْ يَكُنْ مَوْضُوعًا. (القول البدیع: ص ۱۹۵)

”جائز اور مستحب ہے کہ فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ موضوع اور جعلی نہ ہو“۔

نیز لکھتے ہیں:

وَأَمَّا الْمَوْضُوعُ فَلَا يَجُوزُ الْعَمَلُ بِهِ بِحَالٍ

”بہر حال موضوع حدیث تو اس پر کسی حالت میں عمل جائز نہیں ہے“۔ (ص ۱۹۶)

خلاصہ یہ نکلا کہ فضائل اعمال میں ہر ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے حضرات محدثینؒ کے نزدیک چند شرطیں ہیں اور جو حدیث موضوع

اور جعلی ہو اس پر کسی حالت اور کسی صورت میں عمل جائز نہیں ہے۔ نہ فضائل اعمال میں اور نہ ترغیب وترہیب وغیرہ میں۔

انگوٹھے چومنے کی احادیث جعلی ہیں:

اب بہ قایمی ہوش وحواس سن لیجیے کہ انگلیاں چومنے کی تمام حدیثیں صرف ضعیف ہی نہیں ہیں بلکہ موضوع اور جعلی ہیں۔ چناں چہ امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں:

اَلْأَحَادِيثُ الَّتِي رُوِيَتْ فِي تَقْبِيلِ الْأَنَامِلِ وَجَعْلِهَا عَلَى الْعَيْنَيْنِ عِنْدَ سَمَاعِ اسْمِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُؤَذِّنِ فِي كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ كُلُّهَا مَوْضُوعَاتٌ. (تیسیر المقال للسیوطی بہ حوالہ عماد الدین: ص ۱۲۳)

”وہ حدیثیں جن میں مؤذن سے کلمۂ شہادت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سننے کے وقت انگلیاں چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کا ذکر آیا ہے وہ سب کی سب موضوع اور جعلی ہیں“۔

لیجیے! اب تو قصہ ہی ختم ہوگیا۔ مفتی احمد یار خان صاحب کو یہ الفاظ دیکھ کر غور کرنا چاہیے کہ وہ لکھتے ہیں:

”الحمد للہ کہ اس اعتراض کے پرخچے اڑ گئے ہیں اور حق واضح ہوگیا“۔ (بلفظہ جاء الحق: ص ۳۸۴)

پرخچے کس کی دلیل کے اڑ گئے اور حق کس کی طرف سے واضح ہوگیا ہے؟

عیاں راچہ بیاں ع

ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

حضرت خضر علیہ السلام کی روایت کی حقیقت:

حضرت امام سیوطیؒ کے کُلُّهَا مَوْضُوْعَاتٌ کے حوالے کے بعد یہ ضرورت تو نہیں کہ ہم کچھ اور عرض کریں، مگر محض تکمیل فائدے کے لیے حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام کی روایت کا ذکر بھی کر دیتے ہیں۔ اسی مضمون کی روایت حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام سے بھی منقول ہے، مگر اس کے الفاظ یہ ہیں:

ثُمَّ يُقَبِّلُ اِبْهَامَيْهِ. (الحدیث)

''پھر اپنے دونوں انگوٹھے چومے''۔

پہلی روایت میں انگوٹھوں کا ذکر نہیں بلکہ شہادت کی انگلیوں (اور ایک روایت میں ابہام (انگوٹھا) اور سباحہ (شہادت کی انگلی)) کا ذکر تھا اور وہ مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کے باب یا سرخی (عنوان) کے مطابق نہ تھی، مگر یہ روایت مطابق ہے۔ یہ روایت موضوعات کبیر: ص ۷۵، اور تذکرۃ الموضوعات: ص ۳۶ وغیرہ میں ہے، اور مفتی احمد یار خان صاحب نے مقاصد حسنہ کے حوالے سے نقل کی ہے۔ (جاء الحق: ص ۳۷۸)، اور مولوی محمد عمر صاحب نے طحطاوی: ص ۱۲۲ کے حوالے سے نقل کی ہے (مقیاس: ص ۶۰۱)، لیکن حضرت علامہ محمد طاہرؒ اور حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

بِسَنَدٍ فِيْهِ مَجَاهِيْلُ مَعَ انْقِطَاعِهِ الخ (تذکرہ: ص ۳۶ وموضوعات: ص ۷۵)

''اس کی سند میں کئی مجہول (نامعلوم) راوی ہیں اور سند بھی منقطع ہے''۔

تو اس ضعیف روایت سے دین کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے؟ حضرت امام بیہقیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

فِيْ هٰذَا الْإِسْنَادِ قَوْمٌ مَّجْهُوْلُوْنَ وَلَمْ يُكَلِّفْنَا اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ نَّاْخُذَ دِيْنَنَا عَمَّنْ لَّا نَعْرِفُهُ (کتاب القرآۃ: ص ۱۲۷)

''اس سند میں کئی راوی مجہول ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس کا مکلّف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین مجہول راویوں سے اخذ کریں''۔

بریلویوں کا انجیل برناباس پر اعتماد اور شریعت محمدی پر بداعتمادی:

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں:

''صدر الافاضل مولائی مرشدی استاذی مولانا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مرادآبادی دام ظلہم فرماتے ہیں کہ ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا، جس کا نام انجیل برناباس ہے۔ آج کل وہ عام طور پر شائع ہے اور ہر زبان میں اس کے ترجمے کیے گئے ہیں۔ اس کے اکثر احکام اسلامی احکام سے ملتے جلتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس (نور مصطفوی) کے دیکھنے کی تمنّا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھوں کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبّت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا''۔ (جاء الحق: ص ۳۷۹-۸۰)

مولوی محمد عمر صاحب نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور انجیل برناباس کا صفحہ بھی دیا ہے۔ (انجیل برناباس: ص ۶۰) اور عبارت بھی نقل کی ہے جو اغلب ہے کہ

انجیل برناباس کی ہی عبارت ہوگی۔ اس میں یہ بھی ہے:

"پس آدم علیہ السلام نے بہ منت یہ کہا کہ اے پروردگار! یہ تحریر مجھے میرے ہاتھ کی انگلیوں کے ناخنوں پر عطا فرما۔ تب اللہ نے پہلے انسان کو یہ تحریر اس کے دونوں انگوٹھوں پر عطا کی"۔

(پھر آگے ہے):

"تب پہلے انسان نے ان کلمات کو پدری محبت کے ساتھ بوسہ دیا اور اپنی دونوں آنکھوں سے ملا"۔ (مقیاس حنفیت: ص ۶۰۴)

اب اگر کوئی شخص انگوٹھے نہ چومے تو اس کی مرضی، یہ تو بہ قول مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ قوی حدیثوں اور حضرات صوفیائے کرامؒ اور حضرات فقہاؒ سے ثابت ہے، بلکہ عیسائیوں سے بھی ثابت ہے، اور انجیل برناباس کی بین شہادت ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ!

جعلی روایات پر عمل۔ کیا عداوت رسول نہیں؟

غیر مسلموں کی بات کو اپنی تائید میں پیش کرنا کوئی گناہ نہیں ہے، مگر سوال یہ ہے کہ اصل چیز کسی معقول طریقے سے اسلام سے بھی تو ثابت ہو؟ جب انگوٹھے چومنے کی سب حدیثیں ہی موضوع اور جعلی ہیں تو پھر اصل کیا اور اس کی تائید کیا؟ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سابق زمانے میں عیسائیوں کی اقتدا کرتے ہوئے کسی نے اسی انجیل برناباس کو پیش نظر رکھ کر یہ جعلی حدیثیں بنا ڈالی ہیں اور یار لوگوں نے ان کو پلے باندھ لیا ہے اور دوسروں سے یوں تخاطب فرماتے ہیں:

"ان شاء اللہ کراہت کے لیے صحیح حدیث تو کیا ضعیف بھی نہ ملے گی۔ صرف یاروں کا اجتہاد اور عداوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے"۔ (بلفظہ جاء الحق: ص ۳۸۴)

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ! مَعَاذَ اللّٰهِ تَعَالٰی، ثُمَّ مَعَاذَ اللّٰهِ تَعَالٰی

دیکھا آپ نے اہل بدعت حضرات کو کہ دعویٰ کرتے وقت تو گاؤزبان مگر ثبوت پیش کرتے وقت ریشۂ خطمی؟؟؟

مفتی صاحب کو اس کا علم ہونا چاہیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز کو ترک کرنا بھی سنت ہے اور آپ کا عدم فعل بھی حضرات فقہائے کرامؒ کے نزدیک کراہت کی دلیل ہے، اور یہ صرف یاروں کا اجتہاد نہیں بلکہ ان کے پاس سو فیصدی محدثینؒ کا طے شدہ قاعدہ ہے کہ جعلی اور موضوع احادیث قابل عمل نہیں ہے۔

مفتی صاحب ہی فرمائیں کہ کیا جعلی اور موضوع حدیث کو تسلیم کرنے اور اس کی ترویج سے عداوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی ہے یا جعلی حدیث کے انکار سے؟

اس کا جواب مفتی صاحب پر موقوف ہے، جیسا مناسب سمجھیں ارشاد فرمائیں (۱)۔ (ملخصاً راہ سنت: ص ۴۵-۲۳۹)

(۱) آج تک اس کا جواب مفتی احمد یار خان اور پوری ملت رضا خانیہ پر واجب چلا آرہا ہے، لیکن تاحال اس کا جواب نہیں دے سکے۔ (شریفی)

سلسلہ: انگوٹھے چومنے کا مسئلہ، نمبر ۴

ضعیف احادیث پر عمل کی شرائط

تحریر

مفسّرِ قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی قدس سرہٗ

عنوانات

نعمان محمد امین

ناشر

تحفّظ نظریاتِ دیوبند اکادمی - پاکستان

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ

نام: (مولانا) عبدالحمید خان سواتی ابن نور احمد خانؒ

ولادت: ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء چیڑاں ڈھکی نزد کڑ منگ بالا ضلع مانسہرہ (ہزارہ)

تعلیم: ناظرہ قرآن کریم، درس نظامی، دورۂ حدیث (دارالعلوم دیوبند)، فن مناظرہ، فن طبابت۔

اساتذۂ کرام: حافظ سید فتح علی شاہؒ، مولانا حافظ غلام عیسیٰؒ، مولانا محمد اسحٰق لاہوریؒ، مولانا عبدالقدیر کیمل پوریؒ، مولانا اعزاز علی امروہویؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا عبدالشکور لکھنویؒ، مولانا عبداللہ درخواستیؒ۔

بیعت وارادت: شیخ الاسلام حضرت سیّد حسین احمد مدنیؒ

خدمات: ۱۹۵۲ء میں مدرسۂ نصرۃ العلوم اور جامع مسجد نور گوجراں والہ کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ بحمداللہ پاکستان کے اعلیٰ مدارس میں شمار ہوتا ہے۔

تصانیف وتالیفات: تفسیر معالم العرفان (۲۰ جلد)، نماز مسنون، الطاف القدس کا اردو ترجمہ، دلیل المشرکین کا اردو ترجمہ، دمغ الباطل کا اردو ترجمہ، مبادی تار الفلسفہ کا عربی ترجمہ، خطباتِ صدارت حضرت مدنیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے علوم ومعارف، مجموعہ رسائل حضرت شاہ رفیع الدینؒ کی تدوین، دروس الحدیث، خطبات سواتی، شرح سنن ابن ماجہ، شرح شمائل ترمذی، تشریحات شرح ایساغوجی، الاکابر۔

وفات: ۶/ اپریل ۲۰۰۸ء بروز اتوار۔ تدفین گوجراں والہ کے قبرستان میں ہوئی۔ تین دن تک آپ کی قبر مبارک سے خوش بو آتی رہی۔

ضعیف احادیث پر عمل کی شرائط

انگوٹھے چومنے کی من گھڑت روایت:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میرا نام سنا اذان میں اور اپنے انگوٹھے کے ناخنوں کو چوما اور آنکھوں پر ملا تو وہ شخص کبھی بھی فکر مند اور غم گین نہ ہوگا۔

حضرت امام سخاویؒ نے اپنی کتاب "المقاصد الحسنة" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں ہے۔ مرفوع وہ حدیث ہوتی ہے جس کو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے بیان کرے۔ "شرح الیمانی" میں لکھا ہے کہ مکروہ ہے انگوٹھوں کو چومنا اور آنکھوں پر رکھنا کہ اس کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی اور جو روایات آئی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔

(حاشیہ جلالین: ص ۳۵۷)

ضعیف احادیث پر عمل کی شرائط:

جمہور علما کے نزدیک اگرچہ ضعیف احادیث پر فضائل اعمال میں عمل کرنا جائز ہے، لیکن اس سلسلے میں یہ بات واضح رہے کہ ضعیف احادیث پر جو محدثین کرام نے عمل جائز قرار دیا ہے وہ مطلق نہیں بلکہ بعض شرائط کے ساتھ مقید ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے:

۱- پہلی شرط جس پر تمام محدثین کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ ضعف شدید نہ ہو۔

۲- ایسی حدیث کسی عام قاعدے کے تحت درج ہو، بے اصل اور اختراع نہ ہو۔
۳- اس پر عمل کے وقت یہ اعتقاد نہ ہو کہ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

استاذ العلما حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے بھی اسی طرح فرمایا کہ ضعیف حدیث پر بالاتفاق عمل کرنے والی بات باطل ہے۔ البتہ جمہور کا یہ مسلک ہے کہ اگر حدیث شدید ضعیف نہ ہو تو اس پر فضائل میں عمل کیا جاسکتا ہے۔ اگر ضعف زیادہ ہو تو قابل قبول نہیں۔

اس سلسلے کی جو روایات جواز میں پیش کی جاتی ہیں وہ قابل اعتبار نہیں۔ بڑے بڑے محدثین کرام مثلاً حضرت علامہ شمس الدین سخاویؒ، حضرت ابن طاہر فتنیؒ، حضرت زرقانی مالکیؒ، حضرت ملا علی قاری حنفیؒ، حضرت علامہ عینی حنفیؒ، حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل غیر مشروع اور ممنوع ہے اور ان احادیث کے خلاف ہے جو صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں، جن میں اذان کے جواب کا طریقہ سکھلایا گیا ہے۔

انگوٹھے چومنے کا مسئلہ:

کسی شخص نے اذان میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سن کر انگوٹھے چومنے کے بارے میں سوال کیا تو مخدوم صاحب (شرف الدین ابن شیخ یحییٰ منیریؒ) نے فرمایا کہ انہوں نے کسی کتاب میں اس کے جواز کے بارے میں نہیں پڑھا اور جو کتابیں ان کے پاس ہیں ان میں بھی کہیں اس کا ذکر نہیں آیا۔
(بہ حوالہ زین بدر عربی، معدن المعانی: ص ۱۱۶)

مخدوم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مولانا ضیاء الدین سنامیؒ محدث بھی تھے اور مفسّر بھی! ایک روز ان کے وعظ میں مخدوم صاحبؒ بھی شریک تھے، اتفاق سے کسی شخص نے ان سے انگوٹھے چومنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ کتابوں میں تو یہ مسئلہ کہیں نظر نہیں آیا۔
(منقول از ماہ نامہ الحق، اکوڑہ خٹک: ص ۵۱، ۱۲، بابت ماہ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۲ء، مضمون پروفیسر محمد اسلم صاحب، لاہور۔ تبصرہ بر کتاب ملفوظات معدن المعانی: مرتبہ زین بدر، عربی، مطبوعہ: مطبع اشرف الاخبار، بہار شریف ۱۸۸۴ء)
(ملخص، نماز مسنون: ص ۶۰-۲۵۸)

سلسلہ: انگوٹھے چومنے کا مسئلہ، نمبر ۵

انگوٹھے چومنے میں اپنے انگوٹھوں کو حضور علیہ السلام کے انگوٹھے قرار دینا چہ معنی دارد؟

محقّق

مناظر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود دامت برکاتہم

صاحبِ ''مطالعہ بریلویت''

عنوانات

نعمان محمد امین

ناشر

تحفّظ نظریاتِ دیوبند اکادمی - پاکستان

محقّق ومناظر اہل سنت حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہٗ

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہٗ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا سیّد فخر الحسن مرادآبادیؒ کے تلمیذ رشید ہیں۔ عصری علوم کے ماہر اور ایم اے عربی، پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں۔ آپ کی تصانیف میں مطالعۂ بریلویت (۸ جلد)، آثار الاحسان (۲ جلد) آثار التشریع (۲ جلد) خلفائے راشدینؓ (۲ جلد) عبقات (۲ جلد) اور دیگر شامل ہیں۔

وفاقی شرعی عدالت کے جج بھی رہے۔

اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ ان کا سایہ قایم رکھے اور ہم ان سے مستفید ہوتے رہیں۔ آمین!

انگوٹھے چومنے میں اپنے انگوٹھوں کو حضور علیہ السلام کے انگوٹھے قرار دینا چہ معنی دارد؟

بریلویوں میں ایک یہ بدعت بھی پائی جاتی ہے کہ اذان سنتے وقت وہ اپنے انگوٹھوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھے قرار دے کر نہایت محبّت اور عقیدت میں انگوٹھوں کو چومتے ہیں۔ اب اپنے انگوٹھوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھے قرار دینے کی اس گستاخی پر ان کی ایک دلیل ملاحظہ ہو:

> ''سید الکائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا بیعت رضوان کے موقع پر، کیا اپنے بائیں ہاتھ کو سیدی حضرت عثمانؓ کا ہاتھ نہ ٹھہرایا؟ کیا سید الکائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر اپنے دائیں ہاتھ سے سیدی حضرت عثمانؓ کی بیعت نہ لی؟ اگر ہم اپنے انگوٹھوں کو اذان میں حضور سید الکائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انگوٹھے سمجھ کر انہیں بوسۂ عقیدت دیں تو یہ ناجائز کیسے ہوگیا؟ کیا صحیح بخاری میں اس کی اصل نہیں ملتی کہ سید الکائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ہاتھ کو سیدی حضرت عثمانؓ کا ہاتھ ٹھہرایا اور پندرہ سو صحابہؓ نے اس پر سکوت کیا، کسی نے نکیر نہ کی۔ کیا صحابہؓ کا اجماع حجّت نہیں ہے؟'' (اشتہار واجب الاعتبار، مولانا مختار احمد، مطبوعہ کان پور)

غیر مجتہد کے گل:

غیر مجتہد جب اجتہاد پر آ جائے تو ایسے ہی گل کھلاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اللہ کے پیغمبر کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور عصمت کے سائے میں ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان میں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت لی یہ وحی الٰہی سے تھی۔ گو یہ وحی غیر متلو تھی اور اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مثالی ہاتھ پر اللہ رب العزت کا ہاتھ تھا، اس کا ذکر وحی متلو (قرآن کریم) میں موجود ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام ملاحظہ ہو، آپ فرماتے ہیں:

''میں نے جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی میں نے اپنے اس ہاتھ سے شرم گاہ کو نہیں چھوا''۔ (رواہ ابن ماجہ: ص ۲۷)

اب کوئی ان اہل بدعت سے پوچھے کہ جب تم اذان میں اپنے انگوٹھوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھے قرار دیتے ہو تو پھر کیا تم اپنے ان ہاتھوں سے استنجا نہیں کرتے؟ کیا تمہارا یہی احترام مصطفیٰ ہے؟ اور کیا تمہارے پاس بھی کوئی وحی آئی ہے کہ تمہارے انگوٹھے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھوں کے درجے کو پہنچ گئے ہیں؟ کچھ تو خدا کا خوف کرو اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گستاخی سے بچو۔

پھر اپنی اس گستاخی پر بریلویوں نے ایک موضوع روایت کا سہارا لے رکھا ہے، اس پر عمل کرنے سے پہلے بریلویوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر پوری نظر رکھنی چاہیے تھی:

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار

(رواہ ابن ماجہ)

''جس نے جانتے بوجھتے مجھ پر جھوٹ باندھا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی تمام زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح چلے ہیں جیسے سایہ اپنی اصل کے ساتھ چلتا ہے، سو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جھوٹ باندھنا بھی جہنمی ہونے کا ہی ایک نشان ہے۔

وہ موضوع روایت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مؤذن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے سنا تو آپ نے اپنی انگلیوں کے باطنی حصے کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ یہ روایت علامہ دیلمیؒ کی کتاب مسند الفردوس کے حوالے سے نقل کی جاتی ہے۔

فن حدیث میں جو کتابیں موضوعات (گھڑی ہوئی احادیث) پر لکھی گئی ہیں ان میں علامہ طاہر حنفیؒ کی ''تذکرۃ الموضوعات'' اور ملا علی قاریؒ کی ''موضوعات کبیر'' بہت معروف ہیں۔ ان دونوں میں علی الترتیب ص ۳۶، اور ص ۷۵ پر یہ روایت لایصح کہہ کر نقل کی گئی ہے۔ اس کا ان موضوعات کی کتابوں میں اس طرح نقل ہونا بتاتا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ موضوعات کی بحث میں جب کسی حدیث کے متعلق کہا جائے لایصح اور آگے اس کے حسن یا ضعیف ہونے کا کوئی ذکر نہ ہو تو اس سے مراد اس حدیث کا سرے سے نہ ثابت ہونا ہی ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس سے حسن یا ضعیف ہونے کی نفی نہ ہو، اور ان کتابوں کا اسلوب سمجھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ یہاں لایصح کا مطلب یہی ہے کہ یہ روایت سرے سے ثابت نہیں۔ علامہ سخاویؒ نے اسے ''مقاصد حسنہ'' میں بھی نقل

کیا ہے، مگر ملا علی قاریؒ نے ''موضوعات کبیر'' میں اسے علامہ سخاویؒ کے حوالے سے ہی لا یصح کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔

ضعیفہ، مجروحہ:

جب کسی ضعیف حدیث کو مجروح کیا جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ موضوع ہے، ورنہ ضعیف کے نیچے اور کون سا درجہ ہے کہ ضعیف پر جرح کر کے اسے اس درجے تک لایا جائے؟ مولانا احمد رضا خان نے انگوٹھوں کے چومنے کی روایات کو صرف ''ضعیفہ'' نہیں کہا ''ضعیفہ، مجروحہ'' کہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا، آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں، نہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی ہے، جو اس کے لیے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون جانیں یا نفس ترک کو باعث زجر وملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے، ہاں بعض احادیث ضعیفہ، مجروحہ میں تقبیل وارد''۔ (ابر المقال)

یہاں مولانا احمد رضا خان نے صریح طور پر ان روایات کو اس درجے میں ضعیف مانا ہے کہ ان پر ضعف سے آگے بھی جرح ہے۔ اب ضعف سے آگے وضع کے سوا اور کیا درجہ باقی رہ جاتا ہے؟ اس پر آپ خود غور فرمالیں۔

ضعیف حدیث پر عمل کی شرط:

ضعیف حدیث پر عمل بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس پر عمل کرنے والا یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ اس کا ثبوت حدیث میں موجود ہے:

لا یعتقد عند العمل به ثبوته (القول البدیع للسخاوی)

''اس پر عمل کرنے والا یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ یہ عمل شرعاً ثابت ہے''۔

اب آپ ہی بتائیں اذان میں یہ انگوٹھے چومنے والے اپنے اس عمل پر کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

بریلوی حضرات کو اگر واقعی یہ یقین ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، موضوع نہیں، تو انہیں چاہیے کہ اس کی کوئی ایسی سند پیش کریں جس میں کوئی راوی متہم بالوضع نہ ہو۔ سند میں ایک راوی بھی وضاع ہو تو حدیث ضعیف نہ رہے گی۔ ضعیف حدیث پر عمل بھی صرف اس صورت میں جائز ہے کہ وہ موضوع درجے تک نہ پہنچی ہو۔ علامہ سخاوی (المتوفی: ۹۰۲ھ) لکھتے ہیں:

یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا
(القول البدیع: ص ۱۹۵)

''فضائل اور ترغیب وتوبیخ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا اسی وقت تک جائز اور مستحسن ہے کہ وہ موضوع ہونے کے درجے تک نہ پہنچی ہو''۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ''تیسیر المقال'' میں ان احادیث کے بارے میں فیصلہ یہ دیا ہے:

الحدیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عنه سماع اسمه صلی الله علیه وسلم عن الموذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات (ماخوذ عماد الدین: ص ۱۲۳)

"وہ احادیث جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے کے وقت انگلیوں کے چومنے اور انہیں آنکھوں پر رکھنے کے بارے میں روایت کی گئی ہیں سب کی سب موضوع ہیں"۔

مولانا احمد رضا خان اور مفتی احمد یار خان میں اختلاف:

مولانا احمد رضا خان جس درجے میں بھی اس مسئلے کا اقرار کرتے ہیں وہ مسئلہ انگوٹھے چومنے کا ہے انگلیاں چومنے کا نہیں، اور مفتی احمد یار خان صاحب انگوٹھے چومنے کی بجائے انگلیوں کے چومنے کے قایل ہیں۔ مولانا احمد رضا خان انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھنے کا مسئلہ بیان کرتے ہیں، مگر مفتی صاحب انگلیوں کے اندر کے حصوں کو چومنے کے قایل ہیں۔ مولانا احمد رضا خان کی یہ کتاب "منیر العینین فی تقبیل الابہامین" انگوٹھوں کے حق میں (۱) ہے۔ مگر مفتی صاحب کو انگلیوں کی عادت تھی۔ بریلویوں میں دونوں طرح یہ عمل جاری ہے۔

سری نمازوں میں انگلیاں، جہری میں انگوٹھے:

ایک دفعہ دونوں گروہوں کے کچھ لوگ بات کے تصفیے کے لیے بیٹھے کہ انگوٹھے چومے جائیں یا انگلیاں؟ مسئلے کا فیصلہ تو ان میں نہ ہوسکا، البتہ مولانا محمد عمر اچھروی نے دونوں میں اس طرح صلح کرادی کہ سری نمازوں کی اذان میں انگلیاں اور جہری نمازوں کی اذان میں انگوٹھے چومے جائیں۔ سنا ہے اسی پر دونوں فریق راضی ہوگئے۔

---

(۱) سبحان اللہ! کیا تضاد ہے۔ "ابر المقال" میں فرماتے ہیں کہ اس قسم کی کوئی حدیث ہی نہیں ہے، "منیر العینین فی تقبیل الابہامین" میں انگوٹھے چومنے کے حق میں کلام فرماتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں ان کی باقی تصنیفات بھی "کنز الایمان" کی طرح سوتے میں لکھی گئی ہیں، جبھی یہ "کراماتی تضاد" نظر آرہا ہے۔ (نعمان)

ہم کہتے ہیں جب اصل مسئلہ ہی کہیں موجود نہیں تو اس کی یہ تفصیل کہاں موجود ہوگی؟ ہم مولانا محمد عمر صاحب سے اس کی دلیل نہیں پوچھتے، وہ اپنی ان بدعات کا جواب دینے کے لیے خود اللہ کے حضور پہنچ چکے ہیں۔

پہلے خلیفہ کی طرف منسوب گھڑی ہوئی روایت:

اہل بدعت نے اپنے اس خود ساختہ مسئلے کے لیے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام سے روایت گھڑی اور اس کی حقیقت آپ حضرات اجلہ محدثین سے سن چکے ہیں۔ اس دور کے اہل بدعت نے کہا: زمین پر پہلے خلیفہ تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اب ان کے نام سے بھی انہوں نے ایک روایت گھڑ لی۔ مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھوں کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا"۔ (جاء الحق: ص ۳۷۹)

احمد یار خان سے ایک اصولی سوال:

مفتی صاحب کہتے ہیں یہاں روح القدس سے مراد نور مصطفوی ہے، جو حضرت آدم علیہ السلام کے انگوٹھوں میں چمکایا گیا تھا۔ کیا ہم مفتی صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا آپ کے انگوٹھوں میں بھی کبھی نور مصطفوی چمکا ہے جو آپ انہیں بار بار چومتے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آدم ثانی کا دعویٰ کرنا آپ کے پیش نظر ہو اور اس پر آپ اپنے انگوٹھوں میں نور مصطفوی چمکنے کے مدعی ہوں؟

پہلے خلیفۃ اللہ فی الارض ہوں (جیسے حضرت آدم علیہ السلام) یا پہلے خلیفہ راشد (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) بریلویوں نے ان کے نام سے اذان

میں انگوٹھے چومنے کی روایت بنا رکھی ہیں۔

یہ روایت انگریز سے ملی:

مفتی صاحب نے یہ روایت کہاں سے لی ہے؟ اپنے استاد مولانا نعیم الدین مراد آبادی سے انہوں نے اسے کہاں سے لیا ہے؟ وہ ان کی زبان سے سنیے اور ان محققین کے اس اعتماد پر سر دھنیے:

> ''ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا...... اس میں لکھا ہے''۔ (جاء الحق: ص ۳۸۰)

عمل بہ طور علاج، مگر......:

بعض اعمال بہ طور علاج مفید پائے گئے تو علما نے ان کی اجازت دی، بہ شرطے کہ کرنے والا اسے دینی تقاضا نہ سمجھے، نہ اس کے شرعی ثبوت کا قایل ہو، اسے درجۂ علاج میں ہی رکھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے اعمال شرعی درجے میں سمجھ نہیں آسکتے تھے، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برداشت نہ ہوسکا۔ علمائے شریعت نے لکھا ہے کہ صوفیہ کا عمل حلت وحرمت میں سند نہیں رکھتا۔

ایک درویش محمد ابن بابا نے بیان کیا ایک بار تیز آندھی سے ان کی آنکھ میں کنکری پڑ گئی، وہ نکلتی نہ تھی اور سخت درد تھا۔ انہوں نے مؤذن کو اذان دیتے سنا۔ جب اس نے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کہا تو انہوں نے بھی یہ کلمہ دہرایا، کنکری فوراً نکل گئی۔

اس طرح ایک درویش امجد نے اپنا تجربہ بیان کیا کہ جو شخص اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر اپنی انگشت شہادت اور انگوٹھے کا جوڑ آنکھوں سے لگائے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔

یہ تجربے عملیات کی قبیل سے ہیں یہ شریعت کے مسائل نہیں۔ تاہم ان کے اثرات دیکھے گئے۔ علامہ شامی نے فتاویٰ صوفیہ سے اسے نقل کیا اور جو ضعیف روایات ان کے ثبوت میں انہیں ملیں ان کے پیش نظر اس عمل کو مستحب کہا، اور آخر میں کہہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی:

يستحب ان يقال عند سماع الاولى من الشهادة صلى الله عليك يا رسول الله وعند الثانيه منها قرة عينى بك يا رسول الله ...... كذا فى كنز العباد للقهستانى ونحوه فى الفتاوىٰ الصوفيه وفى كتاب الفردوس من قبل ظهرى ابهاميه عند سما ...... ولم يصح فى المرفوع من كل هذا شىء

(ردالمحتار: ج ۱، ص ۳۷۰)

''مستحب ہے کہ پہلی شہادت (اشهد ان محمدا رسول الله) کے وقت صلى الله عليك يا رسول الله ہے اور دوسری شہادت کے وقت قرة عينى بك يا رسول الله (میری آنکھ کی ٹھنڈک آپ کے نام سے ہے) کہے۔ کنز العباد میں اسی طرح دیا گیا ہے۔ فتاویٰ صوفیہ میں بھی اسی طرح دیا گیا ہے اور مسند الفردوس میں ہے جس نے اپنے انگوٹھوں کی پشت کو اس سننے پر بوسہ دیا...... الخ مرفوع روایات میں سے اس باب میں کوئی چیز صحیح طور پر ثابت نہیں''۔

کفر واسلام کا مسئلہ بنالیا جائے تو راہ حق کیا ہے؟

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس عمل کو زیادہ سے زیادہ مستحب کا درجہ دیا جاسکتا ہے، لیکن جب یہ عمل اہل بدعت میں کفر واسلام کی نشانی بن چکا ہے تو

اسے ناجائز قرار دیے بغیر اور ترک کیے بغیر اہل حق کے لیے اور کوئی راہ نہیں۔

محمود احمد رضوی کا فتویٰ:

بریلویوں کے بڑے عالم مولانا محمد احمد رضوی مہتمم مدرسہ حزب الاحناف لکھتے ہیں:

"فقہائے احناف بہ تصریح فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی امر مستحب کو فرض وواجب سمجھنے لگے یا کسی امر مستحب کو فرض اور واجب کا درجہ دے تو جان لو کہ اس پر شیطان کا داؤ چل گیا...... جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت یا منکر کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا"؟ (بصیرت از محمود رضوی بہ حوالہ مرقات)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نماز چاشت کے بارے میں جو سند صحیح سے ثابت ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اسے بدعت ٹھہرانے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جو لوگ اسے بدعت کہتے ہیں وہ لوگوں کے مجتمع ہونے اور مسجد میں علی الاعلان پڑھنے کی بنا پر ہے۔ یہ نماز (نماز چاشت) حد ذات میں تو مشروع ہے، لیکن اس کا ایسا اجتماع اور اظہار کرنا جیسا کہ یہ عمل فرائض میں سے ہو بدعت ہے"۔ (مدارج النبوۃ: ج۱،ص۶۸۰)

علمائے حق کے فتاوے:

گجرات کے جلیل القدر عالم حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاج پوریؒ بھی لکھتے ہیں:

"نام مبارک لے کر یا سن کر انگوٹھے چومنے کو حدیث سے ثابت شدہ ماننا اور مسنون سمجھنا، اور اس کو آپ کی تعظیم ٹھہرانا غلط اور بے دلیل ہے۔ یہ بدعتیوں کی ایجاد ہے اور اس سے احتراز کرنا ضروری ہے"۔

(فتاوی رحیمیہ: ج۱،ص۵۸)

اب صورت یہ ہے کہ لوگ اس کو آپ کی خاص تعظیم اور سنت مقصودہ سمجھتے ہیں، اور نہ کرنے والے کو لعن طعن کرتے ہیں، اور حنفیت کے خلاف اور اہل سنت سے خارج تصور کرتے ہیں۔ یہ تمام باتیں غلط ہیں اور ان کی بنا پر یہ ضروری ہے کہ ایسا نہ کیا جائے اور اس عمل کو ترک کر دیا جائے۔ فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ مستحب کو جب اپنے درجے سے بڑھا دیا جاتا ہے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے:

واستنبط منه ان المندوب ينقلب مكروها اذا خيف ان يرفع عن مرتبته (مجمع البحار: ج۲،ص۲۴۴)

"اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ مستحب چیز بھی مکروہ ہو جاتی ہے، جب اسے اپنے درجے سے اونچا کیا جائے"۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی لکھتے ہیں:

ان المندوبات قد تنقلب مكروهات اذا رفعت عن مرتبتها لان التيامن مستحب في كل شيء من امور العبادة لكن لما خشي ابن مسعود ان يعتقدوا وجوبه اشار الى كراهته (فتح الباری: ج۲، ص۲۸۱)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف جس حدیث کی نسبت کی جاتی ہے وہ موضوع ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

جب کہ حدیث کا ناقابل استدلال ہونا ثابت ہے تو پھر اس کو سنت یا مستحب سمجھنا بے دلیل ہے، اور اس کے تارک کو ملامت کرنا یا طعن کرنا مذموم۔ زیادہ سے زیادہ اس کو بہ طور علاج رمد کے ایک عمل سمجھ کر کوئی کر لے تو مثل دیگر عملیات مباح ہو سکتا ہے، اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں"۔ (کفایت المفتی: ج۳ ص۸)

(ماخوذ "مطالعہ بریلویت")

سلسلہ: انگوٹھے چومنے کا مسئلہ، نمبر۶

انگوٹھے چومنے والی روایت
کا
بے وقوف راوی

اثر خامہ

فقیہ العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید قدس سرہٗ

صاحبِ "اختلاف امت اور صراطِ مستقیم"

عنوانات

نعمان محمد امین

ناشر

تحفّظ نظریاتِ دیوبند اکادمی - پاکستان

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

نام: (مولانا) محمد یوسف لدھیانوی بن الحاج چوہدری اللہ بخش

ولادت: ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء عیسیٰ پور ضلع لدھیانہ

اساتذۂ کرام: قاری ولی محمدؒ، مولانا امداد اللہ حصارویؒ، مولانا انیس الرحمٰنؒ، مولانا لطف اللہ شہیدؒ، مولانا غلام محمد لدھیانویؒ، مولانا عبداللہ رائے پوریؒ، مولانا مفتی عبداللطیفؒ، علامہ محمد شریف کشمیریؒ، مولانا جمال الدینؒ، مولانا غلام حسینؒ، مولانا محمد نورؒ، مفتی محمد عبداللہ ڈیرویؒ، مولانا عبدالشکور کامل پوریؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔

بیعت وخلافت: مولانا خیر محمد جالندھریؒ سے بیعت ہوئے ان کے انتقال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ اور ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کی طرف سے خلافت سے سرفراز ہوئے۔

خدمات: ضلع لائل پور، جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں تدریس کے علاوہ بہت سی قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔

تصانیف وتالیفات: اردو ترجمہ خاتم النبیین، اردو ترجمہ حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، عہد نبوت کے ماہ وسال، سیرتِ عمر ابن عبدالعزیزؒ، سوانح حیات حضرت شیخ الحدیثؒ، اختلاف امت اور صراط مستقیم، عصر حاضر حدیث نبوی کے آئینے میں، شہاب مبین لرجم الشیاطین، تنقید اور حق تنقید، آپ کے مسائل اور ان کا حل (۱۰/جلد)، شخصیات وتاثرات (۲/جلد)، تحفۂ قادیانیت (۶/جلد)، دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار، دنیا کی حقیقت (۲/جلد)، دعوت وتبلیغ کے چھ بنیادی اصول، اصلاحی مواعظ (۷/جلد)، شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم، ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول، حسن یوسف، رسائل یوسفی، ارباب اقتدار سے کھری کھری باتیں، اطیب النعم فی مدح سید العرب والعجم، ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر، مرزائی اور تعمیر مسجد، قادیانیوں کو دعوتِ اسلام کے علاوہ تقریباً چالیس کے قریب کتب تالیف فرمائیں۔

شہادت: ۱۳/صفر ۱۴۲۰ھ/ ۱۸/مئی ۲۰۰۰ء بہ روز جمعرات صبح دس بجے گھر سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن جاتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

انگوٹھے چومنے والی روایت کا بے وقوف راوی

احادیث میں اذان کی اجابت کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ سکھلایا ہے وہ بالکل واضح ہے۔ اس کو چھوڑ کر ان ضعیف اور منکر روایات پر عمل کرنا انتہائی درجے کی سینہ زوری اور مکابرہ (مقابلہ/ جھگڑا کرنا) ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو یہ بات منقول ہے:

قَبلَ بَاطِنَ الْاِنْمَلَتَيْنِ السَّبَاحَتَيْنِ وَمَسَحَ عَيْنَيْهِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيْلِيْ فَقَدْ حَلَّتْ شَفَاعَتِيْ

''انہوں نے اپنے شہادت کی انگلیوں کے باطن (اندر کے) حصّے کو چوما اور آنکھ پر لگایا تو آپ نے فرمایا: جو شخص بھی اس طرح عمل کرے گا جو میرے دوست نے کیا تو میری شفاعت اس کے لیے واجب ہو جائے گی''۔

بدقسمتی سے اس میں تین شرطوں:

(ا) روایت بہت زیادہ کم زور نہ ہو، مثلاً اس کا راوی جھوٹا یا جھوٹ سے متہم نہ ہو،

(۲) وہ چیز شریعت کے کسی عام اصول کے تحت ہو،

(۳) اس کو سنت نہ سمجھا جائے،

میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی۔

اول تو وہ روایت ایسی مہمل ہے کہ ماہرین علم حدیث نے اسے موضوع اور من گھڑت کہا ہے۔

دوسرے یہ روایت اصل دین میں سے کسی اصل کے تحت داخل نہیں۔

تیسرے اس کو کرنے والے نہ صرف سنت سمجھتے ہیں بلکہ دین کا اعلیٰ ترین شعار (نشانی) تصور کرتے ہیں، اور علامہ شامیؒ اور دیگر اکابرُ نے ایسا کرنے کو افتراء علی الرسول (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے جھوٹ بولنا) قرار دیا ہے۔

راوی کی موٹی عقل:

جس شخص نے یہ روایت گھڑی ہے اس نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے یہ نہیں سوچا کہ اذان واقامت دن میں ایک مرتبہ نہیں بلکہ روزانہ دس مرتبہ دہرائی جاتی ہے۔ اب اگر اذان واقامت کے وقت انگوٹھے چومنا سنت ہوتا تو جس طرح اذان واقامت مسلمانوں میں متواتر چلی آتی ہے اور مناروں پر گونجتی ہے، اسی طرح یہ عمل بھی مسلمانوں میں متواتر ہوتا؟ حدیث کی ساری کتابوں میں اس کو درج کیا جاتا اور مشرق سے مغرب تک پوری امت اس پر عمل پیرا ہوتی۔

علمائے امت کی صراحت:

علمائے امت نے تصریح کی ہے (کہ) امت کے عملی تواتر کے مقابلے میں صحیح ترین حدیث بھی موجود ہو تو اس کو یا منسوخ سمجھا جائے گا یا اس کی کوئی

مناسب تاویل کی جائے گی۔

بہر حال ایک متواتر عمل کے مقابلے میں کسی روایت پر عمل کرنا صحیح نہیں۔

حضرت امام ابوبکر جصاصؒ نے ''احکام القرآن'' میں اس قاعدے کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اسی بنا پر ہمارے ائمہ نے یہ فتوی دیا ہے کہ اگر مطلع بالکل صاف ہو تو رمضان اور عید کے چاند کے لیے ایک دو آدمیوں کی شہادت کافی نہیں، بلکہ شہادت دینے والی اتنی بڑی جماعت ہونی چاہیے کہ غلطی کا احتمال نہ رہے۔ اس لیے کہ اِکا دُکا آدمی کی شہادت پر اعتماد کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس علاقے کے لاکھوں انسانوں کو گویا اندھا فرض کر رہے ہیں (۱)۔

(احکام القرآن)

حضرت امام سرخسیؒ کسی روایت کے انقطاع معنوی (معنوی طور پر کٹ جانا) کی چار صورتیں قرار دیتے ہیں:

اول: وہ کتاب اللہ کے خلاف ہو،

دوم: سنت متواترہ یا مشہورہ کے خلاف ہو،

سوم: ایسے مسئلے میں جس کی ضرورت ہر خاص وعام کو ہے وہ امت کے تعامل کے خلاف ہو،

چہارم: سلف میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا، مگر کسی نے اس کا حوالہ نہ دیا۔

(اصول سرخسی: ج۱، ص۳۶۴)

دوسری صورت کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

(۱) صوبۂ سرحد کے اکثر باشندے حنفی ہیں، وہ اس مسئلے کو سمجھیں کہ رمضان اور عیدین کے چاند میں مطلع صاف ہونے پر بھی چاند کی شہادتیں دیتے ہیں، کیا وہاں کے باقی باشندوں کو اندھا فرض کرتے ہیں کہ انھیں چاند نظر نہیں آتا؟ خدا کا خوف کریں۔ (نعمان)

وَكَذٰلِكَ الْغَرِيْبُ مِنْ اَخْبَارِ الْاٰحَادِ اِذَا خَالَفَ السُّنَّةَ الْمَشْهُوْرَةَ فَهُوَ مُنْقَطِعٌ فِىْ حُكْمِ الْعَمَلِ بِهٖ. لِاَنَّ مَا يَكُوْنُ مُتَوَاتِرًا مِنَ السُّنَّةِ اَوْ مُسْتَفِيْضًا اَوْ مُجْمَعًا عَلَيْهِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْكِتَابِ فِىْ ثُبُوْتِ عِلْمِ الْيَقِيْنِ، وَمَا فِيْهِ شُبْهَةٌ فَهُوَ مَرْدُوْدٌ فِىْ مُقَابَلَةِ عِلْمِ الْيَقِيْنِ (ص ۳۶۶)

"اسی طرح ایسی خبر واحد جس کا راوی صرف ایک ہو، جب سنت مشہورہ کے خلاف ہو تو (وہ صحیح الاسناد ہونے کے باوجود) عمل کے حق میں منقطع تصور ہوگی۔ کیوں کہ جو سنت کہ متواتر، مستفیض اور مجمع علیہ ہو وہ علم الیقین کے ثبوت میں بہ منزلہ کتاب اللہ کے ہے اور جس چیز میں شبہ ہو وہ علم الیقین کے مقابلے میں مردود ہے"۔

امام سرخسیؒ کی پتے کی بات:

اس کے ذیل میں حضرت امام سرخسیؒ نے بڑے پتے کی بات لکھی ہے، اور دراصل اسی کو یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

فَفِىْ هٰذَا النَّوْعَيْنِ مِنَ الْاِنْتِقَادِ لِلْحَدِيْثِ عِلْمٌ كَثِيْرٌ وَّصِيَانَةٌ لِّلدِّيْنِ بَلِيْغَةٌ، فَاِنَّ اَصْلَ الْبِدَعِ وَالْاَهْوَاءِ اِنَّمَا ظَهَرَ مِنْ قِبَلِ تَرْكِ عَرْضِ اَخْبَارِ الْاٰحَادِ عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ الْمَشْهُوْرَةِ

"روایات کو ان دونوں طریقوں سے پرکھنا بہت بڑا علم ہے، اور دین کی بہترین حفاظت بھی۔ کیوں کہ بدعات وخواہشات کی اصل یہیں سے ظاہر ہوئی کہ ان افواہی روایات کو کتاب اللہ اور سنت مشہورہ سے

نہیں جانچا گیا"۔

آپ غور کریں گے تو تمام بدعات کی جڑ یہی ہے کہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور امت کے عملی تواتر سے آنکھیں بند کر کے ادھر ادھر سے گری پڑی باتوں کو اٹھا کر انہیں دین بنالیا گیا، اور پھر کتاب وسنت کو اس پر چسپاں کیا جانے لگا۔

انگوٹھے چومنا صحابہؓ پر بداعتمادی ہے:

حضرت امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

فَاِنَّ قَوْمًا جَعَلُوْهَا اَصْلاً مَعَ الشُّبْهَةِ فِى اتِّصَالِهَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ اَنَّهَا لَا تُوْجِبُ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ثُمَّ تَاَوَّلُوْا عَلَيْهَا الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ الْمَشْهُوْرَةَ وَجَعَلُوا التَّبَعَ مَتْبُوْعًا، وَجَعَلُوا الْاَسَاسَ مَا هُوَ غَيْرُ مُتَيَقَّنٍ بِهٖ، فَوَقَعُوْا فِى الْاَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ (ص ۳۶۷)

"چناں چہ کچھ لوگوں نے ان شاذ روایات کو اصل بنالیا، حال آں کہ ان کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت مشتبہ (شک والی) تھی اور باوجودے کہ ان سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا، اور پھر کتاب اللہ اور سنت مشہورہ میں تاویلیں کر کے اس پر چسپاں کرنا شروع کردیا۔ پس انہوں نے تابع (ماتحت) کو متبوع اور غیر یقینی چیز کو بنیاد بنالیا۔ اس طرح اہوا وبدعات کے گڑھے میں جا گرے"۔

ٹھیک اسی معیار پر انگوٹھے چومنے کی اس بے اصل روایت کا قصہ بالکل جعلی ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کو صحیح سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم صحابہؓ وتابعینؒ اور بعد کی ساری امت کے تعامل کو جھٹلا رہے ہیں۔ کیوں کہ اگر

اس کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہوتی تو ناممکن تھا کہ صحابہؓ وتابعینؒ کی پوری جماعت دن میں دس مرتبہ اس پر عمل نہ کرتی، اور ناممکن تھا کہ تمام کتب حدیث میں اس کو جگہ نہ ملتی۔

مباح عمل میں بدعت کی آمیزش ہو تو وہ عمل ناجائز ہے:

جو عمل بہ ذات خود مباح ہو مگر اس میں بدعت کی آمیزش ہو جائے یا اس کو سنت سمجھا جانے لگے تو اس کا کرنا جائز نہیں۔

حدیث وفقہ کی کتابوں میں اس قاعدے کی بہت مثالیں مذکور ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے ائمۂ احنافؒ نے نمازوں کے بعد سجدۂ شکر ادا کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔ (عالمگیری: ج۱،ص ۱۳۶، فتاویٰ شامی: ج ۱۲،ص ۴۰)

درمختار (قبیل صلوۃ المسافر) وغیرہ میں ہے:

سَجْدَةُ الشُّكْرِ مُسْتَحَبَّةٌ. بِهٖ يُفْتٰى، لٰكِنَّهَا تُكْرَهُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ، لِاَنَّ الْجَهَلَةَ يَعْتَقِدُوْنَهَا سُنَّةً اَوْ وَاجِبَةً، وَكُلُّ مُبَاحٍ يُؤَدِّىْ اِلَيْهِ فَهُوَ مَكْرُوْهٌ

"سجدۂ شکر مستحب ہے، اسی پر فتویٰ ہے، لیکن نمازوں کے بعد مکروہ ہے، کیوں کہ جاہل لوگ اس کو سنت یا واجب سمجھ بیٹھیں گے اور ہر مباح جس کا یہ نتیجہ ہو وہ مکروہ ہے"۔

حضرت علامہ شامیؒ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک ایسی بات کو جو دین نہیں، دین میں ٹھونسنے کے مترادف ہے۔
(ردالمحتار: ج ۲،ص ۱۲۰)

مستحب عمل کو لازم سمجھنا گناہ اور بدعت ہے:

ایک چیز بہ ذات خود مستحب اور مندوب ہے، مگر اس کا ایسا التزام (لازم سمجھ لینا) کرنا کہ رفتہ رفتہ اس کو ضروری سمجھا جانے لگے اور اس کے تارک کو ملامت کی جانے لگے تو وہ فعل مستحب کے بجائے گناہ اور بدعت بن جاتا ہے۔

مثلاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اکثر وبیشتر داہنی جانب سے گھوم کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصّہ نہ لگالے کہ دائیں جانب سے گھومنے ہی کو ضروری سمجھنے لگے۔ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ بسااوقات بائیں جانب سے گھوم کر متوجہ ہوا کرتے تھے۔ (مشکوۃ: ص ۸۵)

کفار سے مشابہت والا فعل ناجائز ہے:

جس فعل میں کفار وفجار اور اہل بدعت کا تشبہ پایا جائے اس کا ترک لازم ہے۔ کیوں کہ بہت سی احادیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار وفجار کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. (مشکوۃ: ص ۳۷۵)

"جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں شمار ہوگا"۔

اسی قاعدے کے تحت علمائے اہل سنت نے محرم میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے "تذکرۂ شہادت" سے منع کیا ہے۔ اصول الصفار اور جامع الرموز میں ہے:

سُئِلَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ ذِكْرِ مَقْتَلِ الْحُسَيْنِ فِيْ

يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ اَيَجُوْزُ اَمْ لَا، قَالَ لَا، لِاَنَّ ذٰلِكَ مِنْ شِعَارِ الرَّوَافِضِ (بہ حوالہ الجنۃ لاھل السنۃ: ص۱۶۲)

"آپ سے دریافت کیا گیا کہ آیا دس محرم کو شہادت حسینؓ کا تذکرہ جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا: جائز نہیں، کیوں کہ یہ رافضیوں کا شعار ہے"۔

اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ وہ تمام افعال جو اہل بدعت کا شعار بن جائیں ان کا ترک لازم ہے۔

سنت و بدعت میں تردد ہو جائے تو کیا کرے؟

جب کسی فعل کے سنت و بدعت ہونے میں تردد ہو جائے تو ترک سنت فعل بدعت سے بہتر ہے۔ البحر الرائق (ج۲، ص۲۱) اور ردالمحتار (ج۱، ص۶۴۲) میں ہے:

اِذَا تَرَدَّدَ الْحُكْمُ بَيْنَ سُنَّةٍ وَبِدْعَةٍ كَانَ تَرْكُ السُّنَّةِ رَاجِحًا عَلٰى فِعْلِ الْبِدْعَةِ

"جب کسی حکم میں تردد ہو جائے کہ یہ سنت ہے یا بدعت؟ تو سنت کا ترک کر دینا بہ نسبت بدعت کرنے کے راجح ہے"۔

اس قاعدے سے ان تمام امور کا حکم معلوم ہو جاتا ہے جن کے سنت اور بدعت ہونے میں اختلاف ہو۔ بعض اسے سنت بتاتے ہوں اور بعض بدعت:

سنت و بدعت کے سلسلے میں جو نکات میں نے ذکر کیے ہیں اگر ان کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو آپ کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی کہ اہل سنت کون ہے۔ (ملخص اختلاف امت اور صراط مستقیم: حصہ اول، ص۱۱۵ تا ۱۲۰)

سلسلہ: انگوٹھے چومنے کا مسئلہ، نمبر ۷

جناب محمد شفیع اکاڑوی کی کتاب
"انگوٹھے چومنے کا مسئلہ"
کا تحقیقی جائزہ

ایک استفتاء اور اس کا جواب

از

جناب مولانا منیب احمد زید مجدہٗ

مصدقہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

نایب صدر و صدر مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

تحفّظ نظریاتِ دیو بند اکادمی - پاکستان

جناب محمد شفیع اوکاڑوی کی کتاب
''انگوٹھے چومنے کا مسئلہ''
کا تحقیقی جایزہ

ایک استفتا اور اس کا جواب

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں:

زید کہتا ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک اذان میں سنتے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا جایز ومستحب ہے۔

بکر کہتا ہے کہ انگوٹھے چومنا بدعت ہے۔

ان دونوں میں حق پر کون ہے؟

مولانا شفیع اوکاڑوی کا ایک رسالہ بھی اس کے جواز میں شایع ہوا ہے، وہ بھی روانہ کر رہا ہوں، جواب سے مطلع فرمائیں کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

عبداللطیف عبدالغنی

پلاٹ ۳۵، ڈی۔ بلاک ٦، فیڈرل بی ایریا،

کراچی نمبر ۳۸

الجواب ومنه الصواب:

حامدا ومصليا

اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کے وقت تقبیل ابہامین یعنی انگوٹھوں کا چومنا کسی صحیح السند حدیث سے ثابت نہیں، اور یہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ یہ عمل موجب ثواب سمجھ کر کرنا بے ثبوت اور بے دلیل بات ہے۔ اس کے متعلق جو روایات ہیں وہ مسندِ فردوس میں ہیں، اور کسی حدیث کی معتبر کتاب میں نہیں۔ مسند فردوس میں اکثر احادیث ضعیف وموضوع ہیں۔ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی حدیث کا مسند فردوس میں ہونا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ حدیث صحیح ہے، جب تک کہ محدثین اس کی صحت کا فیصلہ نہ کر دیں۔

قال فی الاجوبة الفاضلة كتاب مسند فردوس للديلمی فيه موضوعات كثيرة اجمع اهل العلم على ان مجرد كونه رواية لا يدل على صحة الحديث انتهى (الاجوبۃ الفاضلۃ: ص۱۱۲)

اسی طرح کنز العمال کے مقدمہ میں ہے:

وكل ما عزى لهؤلاء الأربعة او للحكيم الترمذی فی نوادر الاصول او للحاكم فی تاريخه اولا بن جارود فی تاريخه او للديلمی فی مسند الفردوس فهو ضعيف فيستغنى بالعزو اليها او الى بعضها عن بيان ضعفه (کنز العمال: ج۱، ص۸)

بعض بزرگوں نے تقبیل ابہامین کے عمل کو آنکھوں کو بیماری سے محفوظ رکھنے کا ایک عمل قرار دیا ہے۔ تو یہ کوئی شرعی بات نہیں۔ اگر کوئی شخص اس کو یہ سمجھ کر کرے

کہ اس عمل کے کرنے سے آنکھیں نہیں دکھتیں تو یہ عمل بہ حیثیت رقیہ مثل دیگر عملیات وتعویزات کے مباح ہوگا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے تارک پر طعن وتشنیع یا ملامت کی جائے۔ اس لیے کہ ہر شخص کو حق ہے کہ کوئی رقیہ یا تعویز کرے یا نہ کرے، عملیات وتعویذات کوئی واجب چیز تو ہیں نہیں کہ ان کے تارک پر ملامت کی جائے، بلکہ فقہا کے نزدیک کسی امر مباح کو اپنے عقیدے میں ضروری اور موکد سمجھ لینا یا عمل میں اس کی پابندی اصرار کے ساتھ اس طرح کرنا کہ فرض یا واجب کے مثل ہو جائے اور اس کے تارک کو قابل ملامت وشفاعت سمجھا جائے اور اس کے ترک کو ممنوع قرار دیا جائے، یہ دونوں امر ممنوع ہیں:

لقوله تعالیٰ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (سورۂ بقرہ: ۲۲۹)

آج کل اس مسئلے میں اتنی شدت ہوگئی ہے کہ اس کو فرض اور واجب کا درجہ دے رکھا ہے۔ فقہا نے تصریح کی ہے کہ ایسی صورت میں مباح بلکہ مستحب فعل بھی واجب الترک ہو جاتا ہے، جب کہ اس کو فرض یا واجب کا درجہ دے دیا جائے اور تارک پر ملامت وتشنیع کی جائے۔

جہاں تک مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کی کتاب ''انگوٹھے چومنے کا مسئلہ'' کا تعلق ہے اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں اس مسئلے پر ''اکیس'' دلایل قائم کیے ہیں، (ان میں سے ہر ہر دلیل کا تفصیلی اور انفرادی جواب تو آگے آنے والا ہے)، ان میں سے اکثر دلایل اور حوالہ جات تو ایسے ہیں جن سے تقبیل ابہامین کا مسئلہ ثابت ہی نہیں ہوتا، بلکہ ان عبارات سے اس مسئلے کا دور کا بھی تعلق اور واسطہ نہیں، اور بعض حوالے ایسی کتابوں کے ہیں جو

قابل اعتبار نہیں یا بالکل غیر معروف ہیں، اور اہل علم میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب میں جتنے بھی حوالہ جات ہیں ان کا مدار کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ یا مسند فردوس پر ہے، پھر جس نے اس مسئلے کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے بالواسطہ یا بلاواسطہ فتاویٰ صوفیہ، کنز العباد اور مسند فردوس کا حوالہ دیا ہے۔ مسند فردوس کے بارے میں تو پہلے ذکر آچکا ہے۔ فتاویٰ صوفیہ اور کنز العباد اہل فتاویٰ اور فقہا کے نزدیک ایسی کتابیں ہیں کہ اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اور قابل فتاویٰ نہیں ہیں۔ چناں چہ مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ اپنے فتاوے میں تحریر فرماتے ہیں:

"شامی نے اس مسئلے کو قہستانی سے اور قہستانی نے کنز العباد سے نقل کیا ہے۔ نیز شامی نے فتاویٰ صوفیہ کا حوالہ دیا ہے۔ کنز العباد اور فتاویٰ صوفیہ دونوں قابلِ فتاویٰ نہیں"۔ (کفایت المفتی: ج۳،ص۸)

پھر علامہ شامیؒ نے اخیر میں جراحی کا قول نقل کیا ہے:

وذكر ذلك الجراحي واطال ثم قال ولم يصح في المرفوع من كل هذا الشيء.

پھر جب کہ حدیث جو اس مسئلے میں نقل کی جاتی ہے اس کا ناقابل استدلال ہونا ثابت ہے (جس کی تفصیل آنے والی ہے)، تو پھر اس کو سنت یا مستحب سمجھنا بے دلیل ہے، اور اس کے تارک کو طعن و تشنیع اور ملامت کرنا مذموم ہے۔ زیادہ سے زیادہ بہ طور علاج امر کے دیگر اعمال کی طرح مباح ہوسکتا ہے۔ بہ شرطے کہ اس کو مباح کا درجہ دیا جائے۔ بہ صورت دیگر بدعت اور واجب الترک ہے۔

(۱) مولانا موصوف نے سب سے پہلے شیخ اسماعیل حقی آفندی کی تفسیر "روح البیان" کا حوالہ دیا ہے، اور ایک عبارت سے تقبیل ابہامین کو ثابت

کرنے کی ناکام کوشش فرمائی ہے۔ حال آں کہ واقعہ یہ ہے کہ جو عبارت یہاں ذکر کی ہے اس سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تقبیل ابہامین سے رمد کی شکایت نہیں ہوتی، اور جو شخص یہ عمل کرے گا وہ اندھا نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک رقیہ ہے، کوئی فقہی بات نہیں کہ اس سے کوئی شرعی حکم متعلق ہوسکے۔

(۲،اور۳) دوسری اور تیسری عبارت بھی مولانا نے اسی تفسیر "روح البیان" سے نقل کی ہے، لیکن مولانا موصوف کو یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ کسی بات کا محض تفسیر روح البیان میں ہونا اس کی صحت کی دلیل نہیں، اس لیے کہ تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اسماعیل حقیؒ کی تفسیر میں بہت سی احادیث ضعیف و کم زور اور موضوع ہیں، اور اس میں بہت سی بے سند باتیں جمع کردی ہیں۔ چوں کہ انہیں علم حدیث میں کوئی دسترس نہیں تھی اس لیے انہوں نے بلاتمیز رطب و یابس ہر قسم کی روایات جمع کردی ہیں۔ چناں چہ الاجوبۃ الفاضلۃ میں ہے:

ونلحق لهذه التفاسير ايضا تفسير "روح البيان" في تفسير القرآن لاسماعيل حقي الواعظ الصوفي المتوفى ١١٣٧هـ فقد نفقت عليه في تفسيره هذا الاحاديث الضعيفة والموضوعة نفاقا كبيرة اذ كان رحمه الله لا يدله لعلم الحديث قال الكوثري في المقالات (ص ٨٤-٤٨٣) للوعاظ شغف عظيم تفسيره لما فيه من الحكايات المرققة للقلوب وفيه لقول كثيرة عن كتب الفارسية وفيه كثير من اشارات الصوفية قولت وقلد وقفت له على كلام

لا یقضی منه العجب فی دماغه عن ایراده
الاحادیث الموضوعة فضلا عن الضعیفة
والخلاصة لا یسوغ الاعتماد علی الاحادیث
التی تورد فی التفاسیر المذکور وامثالها دون
الرجوع الی معرفة حالها من کتب التخاریج
وسواها وذلك لأن فیها الحدیث الضعیف
والموضوع (الاجوبۃ الفاضلۃ: ص ۳۵-۱۳۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تفسیر ''روح البیان'' کی کوئی عبارت اس وقت تک قابل اعتبار وقابل استدلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ دوسرے مفسّرین ومحدثین سے اس کی تائید نہ ہوجائے۔

اس کے بعد نمبر ۴ سے لے کر نمبر ۱۰ تک موصوف نے علامہ شمس الدین سخاویؒ کی کتاب ''المقاصد الحسنۃ'' کے حوالے دیئے ہیں۔ مذکورہ کتاب میں ایسی احادیث جمع کی گئی ہے جو عوام الناس کی زبانوں پر جاری اور مشہور ہیں، اس لیے محض اس کتاب کا حوالہ دے دینا اس بات کی ضمانت نہیں کہ اس میں جو حدیث ہو صحیح اور ثابت السند ہو۔

اولاً صاحب المقاصد نے یہ احادیث خود مسند فردوس سے لی ہیں، اور مسند فردوس کی حقیقت ہم واضح کرچکے ہیں۔

ثانیاً خود المقاصد الحسنۃ میں پوری بحث کے بعد علامہ نے لکھا ہے:

ولا یصح فی المرفوع من کل هذا شیء قال
المحشی عبد الله محمد صدیق الذی صححه
وعلق حواشیه بل کل مختلق وموضوع (المقاصد

الحسنۃ: ص ۸۵-۳۸۴)

اس کے بعد نمبر ۱۰ سے لے کر نمبر ۱۳ تک جو عبارت نقل کی گئی ہیں ان کا مدار اور مرجع آخر کار وہی کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ اور مسند فردوس کی بعض روایات ہیں جن کے بارے میں گذر چکا ہے کہ مسند فردوس کی بہت سی روایات موضوع ہیں اور فتاویٰ صوفیہ اور کنز العباد قابل فتویٰ نہیں۔

جہاں تک علامہ شامیؒ کی عبارت کا تعلّق ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ مولانا (شفیع اکاڑوی) نے وہاں اپنے مطلب کی عبارت لے کر علامہؒ کی پوری عبارت کو غائب کردیا۔ حال آں کہ علامہ شامیؒ نے پوری بات ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

وذکر الجراحی واطال ثم قال ولم یصح فی
المرفوع من کل هذا شیء (شامی: ج ۱، باب الاذان)

(۱۳) پر بھی روح البیان ہی کی ایک عبارت سے استدلال کیا ہے، جو بالآخر قہستانی کے واسطے سے کنز العباد تک پہنچ رہا ہے۔

(۱۴، اور ۱۵) میں جو عبارت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی کتب سے نقل کی گئی ہیں ان سے محض اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ تقبیل ابہامین رمد کے لیے ایک رقیہ ہے؟ مگر مذکورہ عبارت بے محل ہیں اور ان سے مطلقاً تقبیل ابہامین کا استحباب قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔

(۱۶) پر مولانا موصوف نے اپنے پیرومرشد احمد رضا خان بریلوی کی کتاب کا سہارا لیا ہے کہ انہوں نے مولانا جمال ابن عبداللہ مکّی کے فتوے سے اس کا استحباب ثابت کیا ہے۔ مولانا جمال الدین کے مذکورہ فتاویٰ اہل علم اور اہل فتاویٰ

میں بالکل غیر معروف ہیں۔

حوالہ نمبر ۱۷ مولانا عبدالحیؒ کے فتاوے کا ہے۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے بھی غالباً علامہ شامیؒ کی اقتدا میں وہی عبارت ذکر کی ہے جو علامہ شامیؒ نے کنز العباد کے حوالے سے نقل کی تھی، پھر مولاناؒ نے خود نقل عبارت سے پہلے فرمایا کہ اس کے بارے میں جو احادیث ذکر کی جاتی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں، اور اگر اس کو امر مستحب بھی قرار دے دیا جائے تب بھی تارک پر ملامت اور طعن و تشنیع کی گنجایش نہیں (۱)۔

بلکہ آج کل تو اس کا ترک بہتر ہے، بلکہ واجب ہے۔ اس لیے کہ اس کو واجب اور فرض کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھا دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص فرض چھوڑ دے تو اس کو اتنا برا نہیں کہتے جتنا تقبیل ابہامین نہ کرنے والے پر برسا جاتا ہے۔

حوالہ نمبر ۱۸ پر جو عبارت ذکر ہے اس سے محض اتنی بات تو ثابت ہوتی ہے کہ تقبیل ابہامین ایک خاص شخص کے لیے رمد عینین کے لیے رقیہ بن گیا، اس کے ہم بھی منکر نہیں، مگر کسی کے خواب سے کسی فعل کے استحباب کو ثابت کرنا جب کہ اس سے اصل مسئلہ ثابت بھی نہ ہوتا ہو تو نہایت کم فہمی اور نادانی کی بات ہے۔

حوالہ نمبر ۱۹ میں ''حلیۃ الاولیاء'' کی جو عبارت لکھی گئی ہے وہ بھی ثبوتِ مدعیٰ

(۱) حضرت مولانا عبدالحی رحمہ اللہ وہی مظلوم شخصیت ہیں جن کے ساتھ جناب احمد رضا خان بریلوی نے خط وکتابت سے مسلمان بنانا چاہا، جسے وہ اپنے گمان میں مسلمانی کہتے ہیں، لیکن مولانا نے ''فکر رضائی'' کی حمایت نہیں کی، جس کی وجہ سے احمد رضا خان نے انہیں ''کافر'' قرار دیا ہے۔ ان کی سیاہی نما اوراقِ کتب اس کے شاہد ہیں۔ واضح رہے کہ حضرت مولانا عبدالحیؒ دیوبند مکتبِ فکر کے نہیں تھے۔ عجیب بات ہے کہ جب وہ کافر تھے تو اکاڑوی صاحب کس منہ سے ان کا حوالہ دے رہے ہیں؟ (نعمان)

کا فایدہ نہیں دیتی۔ بنی اسرائیل کا ایک شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کو چومتا تھا، اس کا تقبیل ابہامین سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

حوالہ نمبر ۲۰ پر ملا علی قاریؒ کی ''موضوعاتِ کبیر'' سے ایک عبارت نقل کی گئی ہے اور اس کا مطلب بیان کر کے عوام کو دھوکا دینے کی کوشش کی گئی ہے، اور علمائے دیوبند میں سے بعض بزرگوں پر زبردستی یہ بات تھوپنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ بھی اذان میں نام اقدس سن کر تقبیل ابہامین کو مسنون کہتے ہیں۔ حال آں کہ یہ بات بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔

''موضوعات کبیر'' کی مذکورہ عبارت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ یہ حدیث موقوفاً صحیح ہے، بلکہ صاحب موضوعات نے تو حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا:

قال السخاوی لا یصح ورواه شیخ احمد الرداد لسند فیه مجاهیل مع انقطاعه عن الخضر و کل ما یروی فی هذا فلا تصح رفعه البتة

(موضوعات: ص ۶۴)

پھر آگے فرمایا:

''اگر یہ بات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ثابت بھی ہو جائے تو ہمارے عمل کے لیے کافی ہے، اس لیے کہ خلفائے راشدینؓ کی سنت ہوگی''۔

یہ بات ملا علی القاریؒ نے علی سبیل الفرض فرمائی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ حدیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے واقعتاً ثابت ہے۔ چناں چہ واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی ثابت نہیں کہ

اس کو سنت قرار دیا جائے۔ چناں چہ شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ حلبیؒ ملا علی قاریؒ کی اس عبارت کے حاشیے پر لکھتے ہیں:

فكان تعقبه لا معنى له الا الخطأ او لم يصح اسناده الى ابى بكر ... الخ (بر هامش المصنوع للقارى)

اخیر میں مولانا موصوف تحریر فرماتے ہیں:

''اصطلاح محدثین میں حدیث کا سب سے اعلیٰ درجہ صحیح اور سب سے بدتر درجہ موضوع ہے، اور وسط میں بہت سی اقسام ہیں جو درجہ بہ درجہ مرتب ہیں''۔

اس حد تک تو مولانا کی بات درست ہے، لیکن ان کا یہ کہنا:

''اور ان احادیث کے متعلق لا یصح فی المرفوع کہنا ثابت کرتا ہے کہ یہ احادیث موقوف صحیح ہیں''

یہ بات بالکل بے بنیاد اور غلط ہے، اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مولانا کو اصل حدیث سے بھی بہت کم واقفیت ہے۔ اس لیے کہ جب کسی حدیث کے بارے میں محدثین "لا یصح" کہتے ہیں تو اس میں بہت سے احتمال ہوتے ہیں، اور کسی ایک احتمال کو اس وقت تک متعیّن نہیں کیا جا سکتا جب تک دوسرے محدثین سے اس کی تائید و تصدیق نہ ہو جائے کہ انہوں نے اس کو حسن، ضعیف یا موضوع کیا کہا ہے؟

مذکورہ احادیث کسی بھی حدیث کی کتاب میں مسند فردوس کے علاوہ نہیں ہیں کہ ان پر موقوفاً یا مرفوعاً حسن یا صحیح یا کوئی حکم مل سکے، اس کے برخلاف اس کے موضوع ہونے پر بہت سے قرائن موجود ہیں۔

اولاً تو یہی کہ کتب موضوعات کے علاوہ کسی بھی حدیث کی کتب میں اس کا نہ ملنا، صرف موضوعات کی کتابوں میں یہ حدیث ملتی ہے۔ مثلاً موضوعات ملا علی قاریؒ، المصنوع للقاریؒ، موضوعات ابن جوزیؒ، الفوائد المجموعۃ، اسنی المطالب وغیرہ میں موجود ہیں۔ بعض نے لا یصح کا اعلان کیا ہے اور بعض نے رواۃ کو مجاہیل اور منقطع قرار دیا ہے۔

پھر المقاصد الحسنۃ میں بھی یہ حدیث مسند فردوس کے حوالے سے منقول ہے اور انہوں نے اخیر میں فرمایا:

ولا يصح فى المرفوع من كل هذا شىء

اس کے تحت محشی عبداللہ محمد صدیق تحریر فرماتے ہیں:

بل كله مختلق وموضوع (دیکھیے المقاصد الحسنۃ: ص ۳۸۵)

اسی طرح الفوائد المجموعۃ میں بھی ان احادیث پر لا یصح کا اطلاق کیا گیا ہے اور اس کے تحت محشی نے لکھا ہے:

ذكروا الذين يليه السخاوى فى المقاصد وكلمه لايصح انما تقال فيما له قوة فاما هذا لا يرتاب عالم بالسنة فى بطلانه ونازعنى فيه رجل فى الهند وحكى قصة قلت ان الدين لا يثبت بالتجربة ... الخ

''ذکر کیا ہے اس حدیث کو اور اس سے متصل حدیث کو علامہ سخاویؒ نے المقاصد میں اور کلمہ لا یصح ایسی حدیث کے بارے میں کہا جاتا ہے جس میں کچھ قوت ہو، لیکن یہاں پر ہر وہ شخص جس کو حدیث سے

کچھ تعلّق ہے اس کے بطلان پر شک نہ کرے، اور مجھ سے ہند کے
ایک شخص نے جھگڑا کیا اور ایک قصّہ بیان کیا تو میں نے کہا کہ دین
تجربے سے ثابت نہیں ہوتا"۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ہی کا ہم خیال کوئی ملا ہوگا اور اس نے قصّہ سنایا ہوگا کہ تقبیل ابہامین سے رَمد کی شکایت نہیں ہوتی، جس کا جواب یہ دیا ہوگا کہ ان الدین لا یثبت بالتجربة.

وقال ايضا تحت حديث من قال حين يسمع اشهد ان محمدا رسول الله مرحبا بحبيبي – الى قوله – لم يرمد ابدا قال في التذكرة لا يصح وقال في حاشية في المقاصد ان هذا اورده بعض المتصرفه بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه على الخضر اقول أفمثل هذا يقتصر على كلمة لا يصح (الفوائد المجموعة: ص۲۰)

جہاں تک مولانا (شفیع اکاڑوی) کی اس بات کا تعلّق ہے کہ لا یصح فی المرفوع کہا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث موقوف صحیح موجود ہے۔ یہ بات بھی بالکل سطحی اور غیر صحیح ہے، اس لیے کہ یہ حدیث بعض کتب میں مرفوعاً ذکر کی گئی ہے، اس لیے لا یصح فی المرفوع کہا گیا ہے، اور مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں کہ موقوف صحیح موجود ہو۔

دوسرے اگر مولانا کا یہ دعویٰ ہے کہ حدیث موقوف صحیح اس سلسلے میں موجود ہے تو بتائیں کہ کس حدیث کی کتاب میں ہے؟ اور کس نے اس کی صحت، یا حسن یا ضعف کا حکم لگایا ہے؟

بہر حال خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اذان میں تقبیل ابہامین کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ اس کو مسنون سمجھ کر کرنا بدعت اور واجب الترک ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم.

واللہ اعلم وعلمہ اتم
حررہ الاحقر منیب احمد عفی عنہ
دار الافتاء دار العلوم کراچی ۱۴

للہ در المجیب، اصاب فیما اجاب
واجاد فیما أفاد وفقہ اللہ لما یحبہ
ویرضاہ - واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
دار الافتاء دار العلوم کراچی ۱۴
۱۷/۳/۹۷

(ماہ نامہ البلاغ کراچی، شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ/ جولائی ۱۹۷۸ء: ص۴۳ تا ۵۰)

خاتمہ:

وصیّت حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے اس مسئلے کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی وصیّت پر ختم کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”وآں راہ دیگر بہ زعم فقیر التزام متابعت سنت سنیہ است علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ واجتناب از اسم و رسم بدعت ...... تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیئہ احتراز نماید بوئے ازیں دولت بہ مشام جان او نرسد وایں معنی امروز متعسر است کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است و بہ ظلمات بدعت آرام گرفتہ، کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند، د بہ احیائے سنت لب کشائد۔

اکثر علما ایں وقت رواج دہند ہائے بدعت اند ومحو کنند ہائے سنت۔ بدعت ہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بہ جواز بلکہ بہ استحسان آں فتوی می دہند ومردم را بہ بدعت دلالت می نمایند“۔

(مکتوبات امام ربانیؒ دفتر دوم، مکتوب ۵۴)

”وصول الی اللہ کا دوسرا راستہ (جو ولایت سے بھی قریب تر ہے) اس فقیر کے نزدیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا اور بدعت کے نام و رسم سے بھی اجتناب کرنا ہے۔ آدمی جب تک بدعت سیئہ کی طرح بدعت حسنہ سے بھی پرہیز نہ کرے اس دولت کی

بو بھی اس کے مشام جان تک نہیں پہنچ سکتی، اور یہ بات آج کل از بس دشوار ہے، کیوں کہ جہاں کا جہاں دریائے بدعت میں ڈوبا ہوا اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام پکڑے ہوئے ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت کا دم مارے؟ یا کسی سنت کو زندہ کرنے میں لب کشائی کرے؟

اس دور کے اکثر علما بدعات کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں۔ جو بدعتیں چاروں طرف پھیل گئی ہیں ان کو مخلوق کا تعامل سمجھ کر ان کے جواز بلکہ استحسان (پسندیدگی) کا فتوی دیتے ہیں اور بدعات کی طرف لوگوں کی راہ نمائی کرتے ہیں“۔

حق تعالیٰ شانہ تمام مسلمانوں کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی اس وصیّت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

جن اکابر کی تحقیقات شامل کتاب کی گئی ہیں، ان میں سے جو اس دنیا سے رخصت ہو گئے اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو روضۃ من ریاض الجنۃ کا نمونہ بنائے، اور جو حیات ہیں ان کو عافیت کے ساتھ سلامت رکھے۔ ان سب کے علوم و معارف اور دعوت و ارشاد سے رہتی دنیا تک امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم کو مستفید فرما کر ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین!

(نعمان محمد امین)

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ○

کیا صلوٰۃ وسلام اور محفلِ میلاد بدعت ہے؟

''جس میں درود شریف جیسی اہم عبادت کے ساتھ بدعات کا معاملہ، میلاد کی تاریخ، اس کے موجد، مروج کے عقاید ونظریات اور اس کے بارے میں علماے احناف کے فتاوے، بدعات کے معانی ومفاسد کا بیان مدلل انداز میں کیا گیا ہے۔''

تالیف

نعمان محمد امین

انگوٹھے چومنے کا مسئلہ

شریعت کی نظر میں

مضامین ومقالات:

۱۔ اذان۔تاریخ، اہمیت، فضیلت، سبق

(حافظ تنویر احمد شریفی)

۲۔ دیوبندی اور بریلوی اختلافات کا فرق

(نعمان محمد امین)

۳۔ انگوٹھے چومنے کا شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟

(حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ)

۴۔ فاضل بریلوی کی مایہ ناز تحقیق، تقبیل ابہامین

(حضرت مولانا سید حامد میاںؒ)

۵۔ انگوٹھے چومنے والی روایات کا تحقیقی جایزہ

(حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ)

۶۔ ضعیف احادیث پر عمل کی شرایط

(حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ)

۷۔ انگوٹھے چومنے میں اپنے انگوٹھوں کو حضور ﷺ کے انگوٹھے قرار دینا۔ چہ معنی دارد؟

(حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود)

۸۔ انگوٹھے چومنے والی روایات کا بے وقوف راوی

(حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ)

۹۔ جناب شفیع اکاڑوی کی کتاب، انگوٹھے چومنے کا مسئلہ کا تحقیقی جایزہ

(مفتی منیب احمد / حضرت مولانا محمد تقی عثمانی)

۱۰۔ وصیت حضرت مجدد الف ثانیؒ

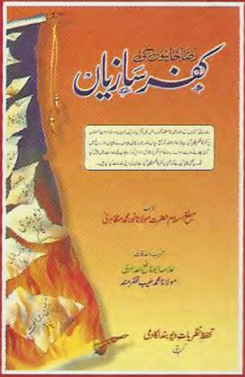

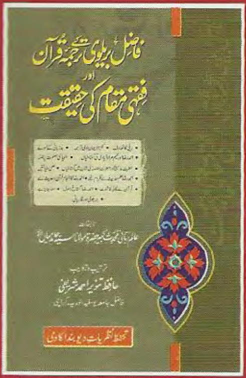

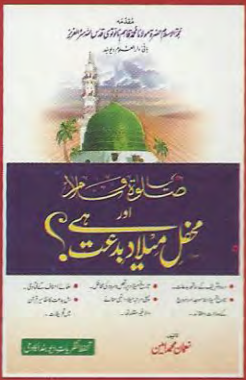

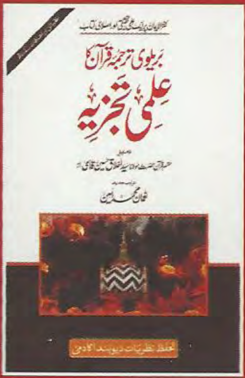

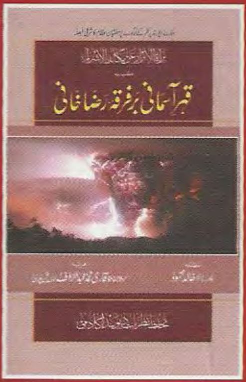

تحفّظ نظریات دیوبند اکادمی